جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ | جلد ۱ | شمارہ ۵ | جون ۲۰۰۶ء

جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ماہنامہ

ساہیوال

سرگودھا



بانی

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

جامعہ حقانیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال ۰ سرگودھا

۰۴۸-۶۷۸۶۰۰۲/۶۷۸۶۸۹۹

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ جون ۲۰۰۶ء فہرست



خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002/6786899 ☆ E-mail-alhaqqania@yahoo.com

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائن پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا فون: 048-3728532/3727547

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمٰن عامر چیمہ کی شہادت

رحمت کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق یہ فیصلہ بلاشبہ حقیقت اور سو فیصد صحیح ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظمتیں اور تقدس وحرمت عطا فرمائی ہے اس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا ارشاد باری تعالیٰ و تعزروہ وتوقروہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور آپ کی تعظیم کو سب پر لازم قرار دیدیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی بھی قسم کی توہین اور گستاخی کو برداشت نہیں کرسکتا، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعدد واقعات اس پر شاہد ہیں کہ انہوں نے جان، مال، عزت، خاندان سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس اور حرمت پر قربان کر کے اس شعر کی عملی شہادت پیش کر دی۔

ے فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منك الوقاء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد اقدس ہو یا بعد کا زمانہ، ہر دور میں مسلمانوں اور عاشقین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی رہا ہے کہ انہوں نے گستاخ پیغمبر کو کبھی معاف نہیں کیا اور نہ اس کیلئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ کیا، چودہ صدیوں کی تاریخ کے دامن میں ایسے واقعات کی کمی نہیں، اس موضوع پر مستقل مضامین و مقالات مسلمانوں کی تاریخ کا ایک قیمتی حصہ ہیں۔

ائمہ مجتہدین اور حضرات فقہاء کرام گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتد اور واجب القتل ہونے پر متفق ہیں، یہی وجہ ہے کہ چند ماہ قبل ڈنمارک اور غیر اسلامی ممالک نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی اور توہین آمیز خاکے کارٹون شائع کئے تو تمام مکاتب فکر کے مفتیان کرام نے ان کے مرتد اور واجب القتل ہونے کا متفقہ فتویٰ جاری فرمایا اور پوری امت مسلمہ نے اس قبیح وشنیع حرکت پر احتجاج کرتے ہوئے گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سزا دینے کا مطالبہ کیا، ملت مسلمہ کا یہ مطالبہ حق بجانب تھا کہ اس عظیم گناہ کے مرتکب افراد یا تو معافی مانگیں یا پھر انہیں قرار واقعی سزا دی جائے لیکن افسوس کہ تمام تر احتجاج کے باوجود اب تک ایسا نہ ہو سکا جو مسلمانوں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ انتہائی زیادتی ہے۔ تمام اسلامی

ممالک کے سربراہان کا یہ فرض ہے کہ ان سنگین حالات میں متحد و متفق ہو کر اپنے حقوق کو حاصل کرنے کیلئے کوئی موثر فارمولا اور لائحہ عمل مرتب کریں کہ یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے، ورنہ خدانخواستہ ایسا وقت نہ آ جائے کہ ''تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں''۔ خدارا امت مسلمہ اور اپنے اوپر رحم کیجئے، اسلامی تشخص اور اپنے وجود کو منوانے کا اگر یہ موقع ضائع کر دیا گیا تو پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا (ولا فعلہا اللہ تعالیٰ)

عبدالرحمٰن عامر چیمہ شہید مرحوم جو اصلاً پاکستان میں تحصیل وزیر آباد کا رہائشی جناب پروفیسر نذیر احمد چیمہ کا اکلوتا بیٹا اور جرمنی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق اور مئے الفت کا متوالا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کفار کی گستاخی کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے گستاخ رسول کے ناپاک وجود سے روئے زمین کو پاک کرنے کیلئے عزم کیا لیکن اس کوشش کے نتیجہ میں وہ جرمن پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوا، جیل میں اسے روح فرسا مظالم اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور یہ عاشق رسول اس کی پاداش میں جام شہادت نوش کر گیا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

عامر شہید مرحوم نے غازی علم الدین شہید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے عملی طور پر اپنے سچے عاشق رسول ہونے کا ثبوت پیش کر دیا جو سب مسلمانوں کیلئے درس عبرت ہے، شہید مرحوم نے ایک مرتبہ پر پھر مسلمانوں کو یہ سبق یاد دلایا ہے کہ وہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و تقدس پر اپنے مال، عزت اور جان کی قربانی دینے میں ہرگز دریغ نہ کریں، جب بھی موقع آئے تو ہر چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیں، شہید مرحوم کی شہادت پر یہی کہا جا سکتا ہے ۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن ۔۔۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مرحوم کی شہادت کے بعد کفار کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ شہید مرحوم کی شہادت سے معاملہ ختم ہو گیا بلکہ یہ امت مسلمہ کے ایمان کا مسئلہ ہے ملت اسلامیہ کا ہر فرد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت اور تقدس کیلئے اپنی جان دینے کو عامر چیمہ مرحوم کی طرح سعادت سمجھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قربانی کو قبول فرماویں اور ان کے پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازیں اور مرحوم کے درجات کو بلند فرماویں ۔ حکومت پاکستان نے اس سانحہ کے موقع پر جو رویہ اختیار کیا وہ کوئی نئی روایت نہیں ہے اس لئے اس پر بجز افسوس اور ع ''مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں'' کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ کے چند خواص مجربہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''احکام وخواص بسم اللہ'' میں اس کے بعض خواص مجربہ تحریر فرمائے ہیں جو فائدۂ عوام کیلئے انہی کے الفاظ میں پیش کئے جارہے ہیں، امید ہے کہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ہر مشکل اور حاجت کیلئے

(۱) جو شخص بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم کو بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ایک ہزار پورا کرنے کے بعد درود شریف کم از کم ایک مرتبہ پڑھے اور اپنے مقصد کیلئے دعا مانگے، پھر ایک ہزار اور اسی طرح پڑھ کر دعا کرے اور اسی طرح بارہ ہزار پورا کر دے تو ان شاء اللہ ہر مشکل آسان اور حاجت پوری ہوگی۔

(۲) جو شخص بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم کے اعداد کے موافق کہ وہ سات سو چھیاسی (۷۸۶) ہیں بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم کو متواتر سات روز تک پڑھے اور اپنے مقصد کیلئے دعا کیا کرے ان شاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

تسخیر قلب کیلئے

جو شخص بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم کو چھ سو مرتبہ لکھ کر اپنے پاس رکھے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت وعزت ہوگی، کوئی اس سے بدسلوکی نہ کر سکے گا۔

آفات سے حفاظت

جو شخص محرم کی پہلی تاریخ کو ایک سو تیرہ مرتبہ پوری بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھے گا ہر طرح کی آفات ومصائب سے محفوظ رہے گا، مجرب ہے۔

چوری اور شیطانی اثرات سے حفاظت

سونے سے پہلے اکیس مرتبہ پڑھے تو چوری اور شیطانی اثرات سے اور اچانک موت سے محفوظ رہیگا

ظالم پر غلبہ
کسی ظالم کے سامنے پچاس مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو مغلوب کرے، اسے غالب کردیں گے۔

ذہن اور حافظہ کیلئے
سات سو چھیاسی (۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے طلوع آفتاب کے وقت پئے تو ذہن کھل جائے اور حافظہ قوی ہو جائے۔

حب کیلئے
سات سو چھیاسی مرتبہ پانی پر دم کر کے جس کو پلائے اس کو گہری محبت ہو جائے (ناجائز کاموں میں استعمال کرے گا تو وبال کا خطرہ ہے)

اولاد کی حفاظت کیلئے
جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اکسٹھ (۶۱) مرتبہ لکھ کر تعویذ بنا کے اپنے پاس رکھے تو بچے محفوظ رہیں گے، مجرب ہے۔

کھیتی کی حفاظت اور برکت کیلئے
ایک سو مرتبہ کاغذ پر لکھ کر کھیت میں دفن کر دے تو کھیتی تمام آفات سے محفوظ رہے اور اس میں برکت ہو۔

حکام کیلئے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی کاغذ پر پانچ سو مرتبہ لکھے اور اس پر ڈیڑھ سو مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے پھر اس تعویذ کو اپنے پاس رکھے تو حکام مہربان ہو جائیں۔

دردسر کیلئے
اکیس (۲۱) مرتبہ لکھ کر درد والے کے گلے میں یا سر پر باندھ دیں تو دردسر جاتا رہے۔
بسم اللہ کی خصوصیات و برکات بہت زیادہ ہیں ان میں سے چند بقدر ضرورت لکھی گئیں، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بسم اللہ کی بعض برکات
تسمیہ سے متعلق مضمون کے آخر میں ہم بسم اللہ کی برکات کے چند واقعات تحریر کرتے ہیں

جس پر ہمارا یہ مضمون سر دست مکمل ہوجائے گا، اس کے بعد آئندہ قسطوں میں خدا تعالیٰ نے چاہا تو سورت فاتحہ کی تفسیر وتشریح کا آغاز ہوگا۔

(۱) حدیث شریف میں تصریح ہے کہ گھر کا دروازہ بند کرتے وقت، اسی طرح چراغ گل کرتے وقت، نیز کھانا کھانے، سواری پر سوار ہونے، اترنے، برتن ڈھانکنے کے وقت بسم اللہ کہو، اس سے تسمیہ کی برکت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

(۲) تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گذرے، آپ کو معلوم ہوا کہ قبر میں مدفون شخص کو عذاب ہورہا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے گذر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص نہایت آرام میں ہے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میرے انتقال کے وقت میری اہلیہ امید سے تھی، اس کو اللہ تعالیٰ نے لڑکا عطا فرمایا، جب وہ بڑا ہوا تو اس نے دین پڑھانے کیلئے اس کو بھیجا، یہ بچا اپنی توتلی زبان میں بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا بچہ مجھے رحمان اور رحیم کہتا ہے مجھے شرم آتی ہے کہ میں تجھے عذاب دوں لہٰذا میں تجھے نجات دیتا ہوں، اب تم جنت میں عیش سے رہو۔

افسوس ناک غفلت

بسم اللہ کے احکام، فضائل، برکات وخواص آپ کے سامنے ہیں، اسلام نے ہر جائز ومباح کام کے شروع میں اس کے پڑھنے کی ہمیں تعلیم دی ہے اور حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو اچھا نیک کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے، لیکن آج نئی تعلیم وتہذیب نے مسلمانوں کو اس مبارک عمل سے کتنا غافل کردیا ہے کہ دور حاضر میں تقریر وتحریر اور کھانے پینے، چلنے پھرنے میں خدا کا نام لینا اور بسم اللہ کا پڑھنا مسلمانوں کی دقیانوسیت اور ملائیت کی علامت قرار دیا جاتا ہے، کس قدر محرومی اور بدنصیبی ہے کہ یہ چھوٹا سا بے محنت عمل جو کیمیا کا حکم رکھتا ہے اس سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو محروم کرلیا ہے انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک آیت کی برکات سے مالامال فرمائیں اور محرومی سے بچائیں، امین ثمّ امین بجاہ النّبیّ الکریم علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ الصّلٰوۃ والتّسلیم الٰی یوم الدّین۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسیؒ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

(۱۰) حدیث کا یہ لفظ کہ "فرشتہ نے مجھے پکڑا اور زور سے دبایا" اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کو (سینہ) سے لگا کر دبانا اس کے باطن میں ایک نورانی قوت پیدا کر دیتا ہے جو تمام بدن میں پھیل جاتی ہے اور جو چیز القاء کی جائے اس کے تحمل میں معین ہوتی ہے (جبکہ دبانے والا صاحب نور اور صاحب قوت روحانیہ ہو) کیونکہ جس وقت جبریل علیہ السلام کا بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے مل گیا تو آپ کے اندر اس کے اثر سے یہی بات پیدا ہوگئی کہ آپ نے اس (وحی) کا تحمل کر لیا جو آپ پر القاء کی گئی اور فرشتہ کی باتیں سننے کیلئے (استقلال کے ساتھ) کھڑے رہے اور اس دولت کو آپ کے وارثوں میں سے اہل تصوف نے پالیا ہے جو (حضور کے) متبع اور محقق ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ ان کے پاس کچھ لوگ اعتراض کی غرض سے آئے تو انہوں نے جواب دینے سے انکار کیا اور اس وقت ان کے پاس ایک عام آدمی بکریاں چرانے والا موجود تھا شیخ نے اس کو بلا کر سینہ سے لگایا پھر کہا تم ان لوگوں کے سوالات کا جواب دے دو، چنانچہ اس شخص نے جواب دیا اور بلیغ جواب دیا لوگوں نے پھر اس کے سامنے کچھ سوالات کئے وہ ان کا جواب بھی تفصیل اور منع اور ایجاز کے ساتھ دیتا رہا یہاں تک کہ تمام علماء کو جو اس وقت موجود تھے گفتگو میں بند کر دیا، شیخ نے اس کو پھر بلایا اور سینہ سے لگایا تو جیسا پہلے (جاہل) تھا ویسا ہی ہوگیا کہ کسی بات کا بھی علم نہ رہا، وہ کہنے لگا اے حضرت! اہل اللہ تو جب کوئی چیز دے دیا کرتے ہیں اس کو واپس نہیں لیا کرتے، فرمایا ہاں بات تو یہی ہے مگر تجھ کو اس طریق سے مناسبت نہیں (یعنی تجھ کو یہ دولت تیری طلب پر نہیں دی گئی تھی بلکہ علماء کی تنبیہ کیلئے بلا طلب دی گئی تھی اس لئے ضرورت رفع ہو جانے کے بعد واپس لے لی گئی) پھر اس کو (اس کے درجہ کے مناسب) خیر کی بشارت دی اور جو فرمایا تھا وہی ہوا۔

تو جب ایک انسان کے دوسرے انسان کو گلے لگانے میں یہ اثر ہوا حالانکہ وہ (حضور کا)

وارث تھا تو جس وقت خودمورث (اعلیٰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدن روح الامین کے بدن سے ملا ہوگا کیسا کچھ اثر ہوا ہوگا (اس کو خود ہی سمجھ لو) (الوجه الثلاثون وفيه دليل على ان اتصال جرم الغاط بالمغط الى قوله بجسد الروح الامين)

ف: قلت وهذا هو الحق فى حكمة غط جبرئيل للنبى صلى الله عليه وسلم وضمّه اليه واما ما قيل من انه عليه السلام ضمه اليه تاديبا له وان شدة الغط كان مبالغة فى التاديب فدعوى مجردة لادليل عليها فى لفظ الحديث لاحتمال ان يكون الضم لان يحدث فى باطنه صلى الله عليه وسلم قوة نورية متشعثة تكون عونا على حمل ما يلقى اليه وشدة الغط تدريجا لحمل الثقل لان كلام الله تعالى حين نزوله ثقيل يشهد لذلك قوله عز وجل انا سنلقى عليك قولا ثقيلا۔

واذا كان الفعل محتملا لوجهين يجب حمله على الوجه الذى يليق بشان الرسول عليه صلوة الله وسلامه ما هبت الدبور والقبول ومن اين لنا ان نقول ان جبريل كان معلما ومؤدبا له صلى الله عليه وسلم ولم يدل على ذلك دليل والذى ثبت بالاٰيات والاٰثار انما هو كونه رسولا وسفيرا محضا وان الله تعالى كان هو معلما لرسول الله صلى الله عليه وسلم ومؤدبا له كما ورد فى الحديث علمنى ربى فاحسن تاديبى والعجب من الشارح انه مع علمه بان حكمة الغط انما هو احداث قوة نورية فى باطنه صلى الله عليه وسلم كيف اتبع غيره من الشراح فى حمله ذلك على التاديب۔

فى الوجه الخامس والعشرين من فوائد هذا الحديث وقد كنت ترجمت هذين الوجهين اولا ثم ضربت عليهما ولم ارض بان يقف على ذلك العوام فيتوحشوا منه وقد امرنا بان نكلم الناس على قدر عقولهم فافهم والله يتولى هداك۔ ۱۲، ظ۔

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامتؒ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

☆ فرمایا حضرت حاجی صاحب کے زمانہ میں تھانہ بھون میں ایک بی بی تھیں، ذاکر و شاغل تھیں، بعض بزرگوں میں احتیاط زائد ہوتی ہے اور بعض میں حسن ظن کی بنا پر توسع ہوتا ہے، حضرت حافظ صاحب میں احتیاط بہت تھی، ان بی بی نے حضرت حاجی صاحب سے ''القول الجمیل'' مانگ بھیجا، حضرت کے اخلاق تھے کہ دینے کیلئے آمادہ ہو گئے، حافظ صاحب کے کان میں بھی یہ بات پڑ گئی، حضرت سے تو کچھ نہ کہا، آنے والے کو ڈانٹا کہ جاؤ کتاب نہیں ملتی اور اس طرح کہا کہ حضرت کو بھی سنا دیا، حضرت نے کتاب رکھ لی اور پھر حافظ صاحب نے فرمایا کہ عورتوں میں بیٹھ کے بُر بُر گی (یعنی اس کی باتیں بیان کرے گی جس سے اپنی شان ظاہر ہوگی) مگر حضرت سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت کے یہاں بہت وسعت تھی کچھ نہیں فرماتے تھے، کسی پر بھی طعن و تشنیع نہیں فرماتے تھے، ہم طالب علم جن درویشوں پر کفر کے فتوے دیتے تھے اس کے متعلق فرماتے تھے کہ کسی باطنی غلطی میں مبتلا ہو گیا ہے۔

☆ فرمایا راجوپور (ضلع سہارنپوری) کے ایک شخص ہیں محمد علی خان جو مولوی جمیل کے ماموں ہوتے ہیں، انہوں نے کسی سے سنا ہوگا خود تو حضرت کے زمانہ میں نہ تھے، بیان کرتے تھے کہ مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا گنگوہی حج کو چلے، جہاز میں کسی مسئلے میں گفتگو ہوگئی، مولانا گنگوہی تو دریا کو کوزہ میں بند کرتے تھے اور مولانا محمد قاسم صاحب کوزہ سے دریا کو نکالتے تھے، دونوں بہت ہی ذہین تھے، طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی مدرسہ میں ان دونوں صاحبوں کی گفتگو ہوتی تھی تمام لوگ جمع ہو جاتے تھے، ایک صاحب کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا پھر دوسرے صاحب کی گفتگو سن کر حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح اسی میں سے بات نکال کر جواب دے دیا اور یہ معلوم ہوتا کہ اب اس کا جواب نہیں ہو سکتا، اسی طرح سلسلہ چلا کرتا تھا۔ غرض سفر میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا اور نہ یہ بند ہوئے نہ وہ، جب بہت دیر ہوگئی تو مولانا محمد قاسم صاحب نے کہا بس مولوی صاحب اب رہنے دیجئے، ہم تو حضرت کے یہاں جا رہے ہیں وہاں اس کا فیصلہ کرا لیں گے، مولانا گنگوہی نے کہا کہ حضرت کا ان باتوں سے کیا تعلق یہ علمی باتیں ہیں، مولانا محمد قاسم صاحب نے کہا کہ اگر حضرت کو ان باتوں سے تعلق نہیں تو ہم نے

ناحق ان کا دامن پکڑا۔، جب حضرت کے یہاں پہنچے تو مولانا گنگوہی تو اس لئے خاموش رہے کہ وہ مسئلہ طالب علمانہ تھا اور مولانا محمد قاسم اس لئے خاموش رہے کہ وہ حضرت کے سامنے بولا نہیں کرتے تھے خاموش بیٹھے رہا کرتے تھے، غرض دونوں خاموش رہے کسی نے نہ پوچھا مگر حضرت نے ہی ایک مضمون کے ذیل میں اس مسئلہ کی تقریر فرمائی اور پھر اس میں اختلاف نقل فرمایا اور پھر فرمایا کہ اس میں فقیر کی رائے یہ ہے تو مولانا گنگوہی متحیر رہ گئے اور مولانا محمد قاسم صاحب تو جانتے ہی تھے ان کو کچھ تعجب نہیں ہوا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کا یہ جملہ کہ "اگر حضرت کو ان باتوں سے تعلق نہیں ہے تو ہم نے ناحق ان کا دامن پکڑا" کس قدر ریقین اور عشق میں ڈوبا ہوا ہے۔

☆فرمایا مولانا شیخ محمد صاحب اور حاجی صاحب میں مثنوی کے ایک شعر میں اختلاف ہوا، مولانا نے علمی دلائل سے حاجی صاحب کو خاموش کردیا، حاجی صاحب نے حضرت مولانا رومؒ کو خواب میں دیکھا تو اس شعر کا مطلب پوچھا، آپ نے وہی فرمایا جو حاجی صاحب کہتے تھے، صبح کو مولانا کو واقعہ سنایا، کہنے لگے خواب وخیال کا کیا اعتبار ہے، ذہن میں یہی مطلب جما ہوا تھا یہی نظر آ گیا، پھر حضرت خلوت میں تھے اور مولانا مثنوی پڑھا رہے تھے، اتفاق سے وہی شعر آ گیا تو مولانا نے اس شعر کا مطلب وہی بیان کیا جو حاجی صاحب فرماتے تھے، حضرت بے اختیار حجرہ سے نکل آئے اور کہا کیوں مولانا یہ تو خواب وخیال تھا، مولانا نے کہا کہ مطلب تو وہی ہے جو آپ فرماتے تھے یہ تو میری طالب علمانہ بحث تھی۔

☆فرمایا حاجی صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب ایک ہی مسجد میں رہتے تھے مگر حجرے الگ الگ تھے، حافظ صاحب ظریف بھی بہت تھے اور کبھی کبھی حقہ بھی پیتے تھے، جب کوئی طالب علم ان کے پاس آتا تو فرماتے اگر مسئلہ پوچھنا ہے تو وہاں جاؤ مولوی صاحب کے پاس[1] اور جو مرید ہونا ہے تو وہاں جاؤ حاجی جی کے پاس، اور جو حقہ پینا ہے تو یہاں آؤ یاروں کے پاس، اور باوجود بڑے ہونے کے ان سب حضرات کا لحاظ بہت فرماتے تھے حتی کہ مولانا گنگوہی کا بھی لحاظ فرماتے تھے، ایک مؤذن تھا جب حقہ کی ضرورت ہوتی اس کو اشارہ کردیتے وہ تیار کرکے اشارہ کرتا آپ دروازہ سے باہر جا کر پیتے اور اس کو دروازہ پر پہرہ کیلئے کھڑا کردیتے کہ کسی کی آنے کی خبر سنیں تو الگ کردیں، کسی نے حافظ صاحب کو خواب میں دیکھا اور پوچھا حقہ کے متعلق تو کوئی معاملہ نہیں ہوا، فرمایا ہاں کچھ ذکر آیا تھا۔

---

(۱) حضرت مولانا شیخ محمد صاحب کی طرف اشارہ تھا، یہ تینوں حضرات اسی خانقاہ کے مختلف حجروں میں رہتے تھے جو اب خانقاہ امدادیہ کے نام سے مشہور ہے ۱۲ جامع

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

الانسداد لفتنۃ الارتداد

گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا (قسط ۴)

مرتد کی شرعی سزا

اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے جو قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

قرآن کریم کا فیصلہ

اس قرآنی فیصلہ کو کئی علماء عصر نے اب سے بہت پہلے تفصیلی طور پر لکھا ہے اس لئے اس وقت مختصر طور پر پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ الآیۃ (پ۶ رکوع ۹)

علامہ ابن بطالؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو مرتد ہو گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری اور اس کی شرح فتح الباری وغیرہ تمام معتبر کتب حدیث وتفسیر میں موجود ہے۔امام بخاریؒ نے قتل مرتد کے بارہ میں اسی آیت سے استدلال کرنے کیلئے احکام مرتد کے ابواب کو اسی آیت سے شروع فرمایا ہے (بخاری ص ۱۰۰۵ ج ۲) نیز سورۂ مائدہ کی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں محاربۃ اللہ سے مراد کافر ہونا ہے، فتح الباری میں بحوالہ علامہ ابن بطالؒ اسی کی تائید کی گئی ہے (فتح الباری جزء ۲۸ ص ۳۴۵)

عبدالرزاق نے عن معمر عن قتادۃ کی سند سے حدیث عرنیین کا ذکر کیا ہے، اس کے آخر میں ہے کہ آیت عرنیین کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی اسی کے مثل ہے (فتح الباری ص ۳۴۵ ج ۲۸)

(۲) ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ۰ سنۃ اللّٰہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا ۰ (پ۲۲ ع ۵) اور یہ ملعون (اور موذی) جہاں بھی پائے جائیں پکڑے اور خوب اچھی طرح قتل کیے جائیں، خوب قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے ان لوگوں میں جو پہلے ہو

چکے ہیں اور اللہ کی سنت میں کوئی تغیر وتبدل نہ پاؤ گے۔

فائدہ : جاننا چاہئے کہ قتلوا تقتیلا باب تفعیل کا صیغہ ہے جو تکثیر اور مبالغہ پر دلالت کرتا ہے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو بے دریغ قتل کرنا واجب ہے۔قتلوا کے بعد تقتیلا مفعول مطلق ہے اور ائمۂ بلاغت نے تصریح کی ہے کہ مفعول مطلق کو تاکید کیلئے اور مجاز کے احتمال کو دور کرنے کیلئے لایا جاتا ہے مثلاً قتلته میں احتمال ہے کہ ضرب شدید کو مجازاً قتل سے تعبیر کردیا گیا ہو لیکن اگر قتلته قتلا کہیں تو مفعول مطلق کے اضافہ سے مجاز کا احتمال نہیں رہتا، اسی طرح اس آیت شریفہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تقتیل حقیقی مراد ہے فافہم ذلك واستقم (از احسن البیان لمولانا محمد ادریس الکاندھلویؒ)

یاایھاالذین امنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی اللّٰه بقوم یحبھم ویحبونه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللّٰه ولا یخافون لومة لائم الآیة (پ ٦ رکوع ١٢) اے ایمان والو! جوتم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (تو مرتد ہو کر اپنا ہی نقصان کرے گا دین اسلام کو کوئی ضرر نہ ہوگا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان مرتدین کے مقابلہ کیلئے ایسی قوم لائے گا کہ جن کو اللہ محبوب رکھتا ہو اور وہ اللہ کے محبّ ہوں گے، مسلمانوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت اور زبردست ہوں گے، خدا کی راہ میں ان مرتدین سے جہاد کریں گے اور مرتدین کے مقابلہ اور مقاتلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ ڈریں گے۔

امام الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس آیت کے متعلق اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں مفصل کلام فرمایا ہے، ہم اس کا بہت مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: اس آیت سے دو چیزوں کا بیان کرنا مقصود ہے (۱) ایک تو حادثہ اور فتنۂ ارتداد کی خبر دینا مقصود ہے (۲) دوسرے اس فتنہ کے انسداد کی اس تدبیر کا بتلانا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ نے غیب الغیب میں اس کیلئے مقرر فرمائی ہے تاکہ جس وقت وہ فتنہ نمودار ہو تو دل پریشان نہ ہو، اس کے پیش آنے سے پہلے ہی اس سے باخبر اور واقف ہوں اور اس کے پیش آتے ہی اس کے انسداد کیلئے اسی تدبیر کو اختیار کریں جو حق تعالیٰ نے بتلائی ہے، چنانچہ عرب کے بعض لوگ مرتد ہو گئے، بعض تو اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ گئے، بعض نے اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت کی تصدیق کر کے خود کو کافر بنالیا، اور بعض لوگوں نے صرف ایک رکن اسلام زکوٰۃ کا انکار کیا اور کافر ہو گئے اگرچہ

دوسرے تمام عقائد اسلام پر ان کا ایمان تھا، اس فتنہ سے بچنے کی تدبیر وہی تھی جس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا، پہلے حق تعالیٰ جل شانہ نے ابوبکر صدیق ؓ کے قلب پر ان مرتدین سے جہاد وقتال کا داعیہ پیدا فرمایا پھر رفتہ رفتہ سب کے قلوب اس طرف مائل ہو گئے اور سب نے حضرت ابوبکرؓ کا جہاد میں ساتھ دیا، جو لوگ مذہب اسلام کو ترک کر کے اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ گئے تھے ان کے کفر وارتداد میں تو کسی کو شک وشبہ نہیں تھا، اور جن لوگوں نے کسی جھوٹے مدعی نبوت کی نبوت کا اقرار کر لیا وہ بھی بلاشبہ خارج از اسلام ہو گئے تھے، ان دو قسموں کے کفر وارتداد میں نہ کسی کو اختلاف تھا اور نہ ہی اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش تھی، صرف تیسری قسم مانعین زکوٰۃ کے کفر میں اوّل اوّل بعض حضرات کو شبہ ہوا مگر بعد میں ان کو بھی شرح صدر ہو گیا کہ یہ بھی مرتد ہیں اور ان کے ساتھ بھی جہاد فرض ہے (فتح الباری ص ۲۲۴ ج ۱۲)

تنبیہ: صحابہ کرامؓ کے اس اجماعی عمل سے یہ واضح ہو گیا کہ تمام ارکان اسلام کو قبول وتسلیم کرتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص کسی ایک رکن اور قطعی بدیہی امر کا انکار کر دے تو اس سے بھی مسلمان نہیں رہتا۔ امام بخاریؒ نے ایک باب قائم فرمایا ہے باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الرّدۃ جو شخص دین میں سے کسی ایک فریضہ کو بھی قبول نہ کرے تو وہ کافر اور مرتد ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کیلئے تو تمام ضروریات دین کو قبول وتسلیم کرنا ضروری ہے مگر کفر وارتداد کیلئے ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے کل ضروریات دین کا انکار ضروری نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام تمام ضروریات دین کے مجموعہ پر ایمان کا نام ہے اور مجموعہ کے تحقق کیلئے کل اجزاء دین یعنی تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے، اس مجموعہ میں سے کسی ایک جزء پر بھی اگر ایمان منتفی ہو جائے تو مجموعہ پر سے ایمان کی نفی کا حکم لگا دیا جائے گا کیونکہ جزء کی نفی عقلاً کل کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے اور ایک جزء پر ایمان کی نفی سے مجموعہ اور کل پر ایمان کی نفی ہو جاتی ہے اس لئے کہ تمام اجزاء کے وجود کے بغیر کل اور مجموعہ کا تحقق ممکن نہیں ہے، اگر ایک جزء بھی کم ہو گیا تو کل نہیں رہا، خوب سمجھ لیا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو گیا ہو گا جو بعض لکھے پڑھے لوگوں کو ہو جاتا ہے کہ جب ایک شخص تمام ارکان اسلام اور ضروریات دین کو تسلیم وقبول کرتا ہے تو پھر اسلام کے صرف ایک جزء کے

انکار سے اس کو اسلام سے کیسے خارج کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ تمام عقلاء کے نزدیک یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ کسی حکومت کا وفادار وہی شخص ہوتا ہے جو حکومت کے تمام قوانین اور اس کے آئین کو تسلیم کرتا ہو، اگر آئین کی ایک دفعہ کو بھی تسلیم نہ کرے تو وہ شخص حکومت کا باغی کہلاتا ہے۔ اسی طرح جو حکم قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے اور وہ قطعی اور بدیہی ہے تو اس کا انکار بھی کفر ہوگا اگر چہ باقی تمام قوانین الٰہیہ کو تسلیم کرتا اور ان پر عمل کرتا ہو۔

اوپر گذر چکا ہے کہ شیطان کا کفر وارتداد بھی اسی قسم کا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت کو تسلیم کرتا تھا مگر اس کے ایک حکم قطعی کے انکار کی وجہ سے وہ کافر قرار پایا، اور کان من الکفرین میں اس طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ کفر وارتداد کیلئے قصد وارادہ کی شرط نہیں ہے، شیطان نے کافر ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر ایک قطعی حکم کے انکار نے اس کو کافر بنا دیا۔ اسی طرح قرنِ اوّل میں بھی مانعینِ زکوٰۃ اور مسیلمہ کذّاب کے متبعین نے بھی ملتِ اسلامیہ کو چھوڑا نہیں تھا صرف اسلام کے ایک قطعی حکم کے انکار سے ہی وہ کافر و مرتد ہو گئے تھے اور ان پر بھی وہی احکام جاری کئے گئے تھے جن کا اجراء اسلام کو چھوڑنے والوں پر کیا گیا تھا۔

(جاری ہے)

وفیات و دعاءِ مغفرت

۲۶ ربیع الاول کو استاذ العلماء حضرت مولانا محمد اشرف شاد مدظلہم مہتمم جامعہ اشرفیہ مانکوٹ کی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۲۹ ربیع الاول کو جامعہ حقانیہ کے استاذ مولانا مفتی محمد محسن مدظلہم کی خالہ صاحبہ انتقال کر گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۲۹ ربیع الاول کو مولوی کلیم اللہ تونسوی متعلم درجہ عالیہ جامعہ ہٰذا کی خالہ صاحبہ انتقال کر گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۲ ربیع الثانی کی شب میں حافظ محمد مسعود متعلم درجہ خامسہ جامعہ ہٰذا کے والد ماجد وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

قارئین سے تمام مرحومین کیلئے مغفرت اور رفع درجات کی دعاء کی درخواست ہے (ادارہ)

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

مقام رسول کریم ﷺ

کتاب وسنت کی روشنی میں (آخری قسط)

اطاعت رسول ﷺ کے مستقل ہونے کی توضیح

اطاعت رسول ﷺ کے مستقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر حکم ماننا چاہئے خواہ اس کی اصل ہمیں قرآن میں معلوم ہو سکے یا نہ ہو سکے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض سنتوں کی اصل قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رسول کی اطاعت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلّف ہی نہیں بنایا کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں تلاش کی جائے ، اور اولوالامر کی اطاعت اس طرح واجب نہیں ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہے اس لئے جب تک وہ احکام خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق حکم دیں ان کی اطاعت کی جائے گی اور جب ان کے خلاف کریں واجب الاطاعت نہ رہیں گے، صحیح حدیث میں ہے لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے انما الطاعة فی المعروف اطاعت صرف نیکی میں کرنی چاہئے ۔

اس بیان سے اطاعت رسول کے مستقل اور اولوالامر کی اطاعت کے غیر مستقل ہونے کا مفہوم واضح ہوگیا ، اگر رسول کی اطاعت صرف ان احکام تک ہی محدود رہے جو قرآن کریم میں بھی صاف صاف موجود ہیں تو پھر واطیعوا الرسول کی آیت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا ، اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) کی آیت یہ چاہتی ہے کہ خدا کے نزدیک رسول کی اطاعت بھی ایک مستقل لاء ہے ۔

منکرین حدیث کو مغالطہ

یہاں منکرین حدیث کو بڑا مغالطہ یہ ہوگیا ہے کہ وہ دو اطاعتوں کی وجہ سے یہ سمجھ گئے ہیں کہ مطاع بھی دو بن گئے ، اس لئے یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دو اطاعتوں کے واجب ہونے کی وجہ سے مطاع دو نہیں بنتے ، دراصل مطاع دونوں جگہ خدا ہی کی ذات رہتی ہے ، رسول کی اطاعت میں یہ سمجھنا کہ مطاع خدا کی ذات پاک نہیں ہوتی بڑی غلط فہمی اور قرآن کریم سے ناواقفی ہے ، اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے من یطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی، گویا رسول کی اطاعت کی صورت میں بھی مطاع خدا ہی کی ذات رہتی ہے، پس اطاعت کے تعدد سے مطاع میں تعدد نہ سمجھنا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا بیان اس لحاظ سے کہ اس تفصیل سے قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوتا ایک مستقل حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس اعتبار سے یہاں مطاع بظاہر رسول کی ذات معلوم ہوتی ہے، اور اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ تمام تفصیل بعینہٖ قرآن کے اجمال کی مراد ہوتی ہے تو اس کی حیثیت کوئی مستقل حیثیت نہیں رہتی اور یہاں بھی اصل مطاع خدا ہی کی ذات ہو جاتی ہے، اس لئے احادیث رسول پر عمل کرنے والا بلحاظ بیان تو رسول کا مطیع کہلاتا ہے اور بلحاظ مراد خدا ہی کا مطیع ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والا خدا کے الفاظ پر بھی عمل کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مراد پر عمل کرتا ہے، اس بنا پر اطاعتیں اگرچہ دو نظر آتی ہیں مگر مطاع درحقیقت ایک ہی رہتا ہے۔

پیچیدہ مسئلہ کا حل

درحقیقت یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ ایک طرف اسلام کی نازک توحید خدا ہی کی اطاعت اور اسی کی محبت کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے رسول کی محبت و اطاعت کا بھی حکم دیتی ہے، قرآن کریم نے بتایا کہ نسبت رسالت کے بعد رسول کی ہستی درمیان میں صرف واسطہ ہوتی ہے، پھر اس کی اطاعت و محبت خدا ہی کی محبت و اطاعت ہو جاتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے من یطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ یعنی اصل حکم برداری تو خدا ہی کی چاہئے ظاہری سطح میں رسول کی اطاعت گو اس کے خلاف نظر آئے مگر حقیقت میں وہ خدا ہی کی حکم برداری ہوتی ہے، بلکہ رسول کی اطاعت و محبت کے بغیر خدا کی محبت و اطاعت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا

رسول کی اطاعت چونکہ خدا تعالیٰ کے بیان اور اس کی اراءۃ، اس کی وحی کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو بعینہٖ خدا کی اطاعت کہا گیا ہے، امام پر نہ وحی آتی ہے، نہ خدا کی طرف سے اس کی صواب رسی کی کوئی ضمانت دی گئی، وہ جو حکم دیتا ہے اپنی صوابدید، اپنی فہم، اپنے علم کے مطابق دیتا ہے، اس لئے امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت کہنا بھی غلط ہے اور اس لئے منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے قرآن میں امامِ وقت کی اطاعت مراد لی گئی ہے سب سے بڑھ

کرقرآن کریم کی تحریف ہے۔اس کے علاوہ امام سے ہرامام مرادہوتو فاسق امام کی اطاعت کوبھی اللہ ورسول کی اطاعت کہاجاسکے گا،اوراگرخاص صالح امام مرادلیا جائےتو خلفائے راشدین کےبعدتیرہ سوسال میں خداورسول کی اطاعت کامصداق ہی شاذونادرہوگا،پھرجس دورمیں مسلمانوں کاکوئی امام ہی نہ رہےاس میں لازم آئے گا کہ خدااوررسول کی اطاعت کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہےاوراطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول کانظام معطل پڑا رہے۔خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی بے شمارآیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اورنجات کاراستہ صرف اطاعت خدااوررسول میں منحصرہے،اب اگراس اطاعت سے مراد امام کی اطاعت ہوتویقیناًتیرہ سوسال میں اماموں کی بڑی تعدادایسی ہی ہےجن کی اطاعت کواللہ اوررسول کی اطاعت نہیں کہاجاسکتا،منکرین حدیث کےمطابق لازم آتا ہے کہ اس عام دورمیں مسلمانوں کیلئے راہ نجات وہدایت مسدودہوااورمسلمانوں کے پاس اپنے باہمی نزاعات رفع کرنے کی کوئی صورت ہی موجودنہ ہو،گویادین اسلام ایک ایساآئین ہوجس پرعمل کرنا دنیا کی طاقت سے باہرہو۔

منکرین حدیث کابحیثیت رسالت رسول کی اطاعت کاانکارکرنا

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوحیثیتیں تھیں،رسالت اورامامت، رسالت کی حیثیت سے آپ پرصرف ایمان لاناضروری تھااورآپ کی اطاعت کرنا بہ حیثیت امامت تھانہ کہ بہ حیثیت رسالت،مگریہ بات واقعات کےبھی خلاف ہےاورخودقرآن کےبھی خلاف ہے، صحابہ کرامؓ اورتمام امت مسلمہ نے ان دوحیثیتوں کےلحاظ سےکبھی آپ کےساتھ دوقسم کابرتاؤنہیں کیااور نہ ہی قرآن کریم نے کہیں ان دوحیثیتوں کاجداجدااعتبارکرکےآپ کے دوقسم کےحقوق بتلائے ہیں قرآن مجید میں ارشادہے ما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى اللّٰه ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم جب خدااوراس کارسول کسی معاملہ کافیصلہ کردیں توکسی مومن مردیاعورت کوپھر اپنے معاملے میں کوئی اختیارباقی نہیں رہتا۔اس آیت میں آپ کورسول کہہ کربحیثیت رسول آپ کے فیصلہ اورخداتعالیٰ کے فیصلہ کوایک ہی قراردیا گیاہےاورآپ کے فیصلہ کایہ حق بتایا گیا ہے کہ اب اس کےبعدکسی کوکوئی اختیارباقی نہیں رہتا،اس کی اطاعت فرض ہوجاتی ہے،پس منکرین حدیث نے جو دوحیثیتیں بیان کرکےان کےلحاظ سے رسول کےبحیثیت رسول مطاع ہونے کاانکارکیاہے یہ قرآن کےصریح مخالف ہے،قرآن نے نہ صرف یہ کہ رسول کےبحیثیت رسول مطاع ہونے کااعلان فرمایا

بلکہ ہر رسول کی رسالت کا مقصد ہی یہ بتلایا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے ، ارشاد ہے وما ارسلنا من رّسول الاّ لیطاع باذن اللّٰہ ہم نے جو رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم کے ماتحت ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے ۔

معلوم ہوا کہ رسولوں کے مطاع ہونے کا قانون اللہ تعالیٰ کا مستمر قانون ہے ،قرآن کہتا ہے کہ ہر رسول اطاعت ہی کیلئے بنایا گیا ہے ،اس لئے رسولوں کا مطاع ہونا قرآن کے نزدیک حق رسالت ہے اور ایک ایسا عام قانون ہے جس سے کبھی کوئی رسول مستثنیٰ نہیں رہا ۔اب اگر رسول بحیثیت رسول مطاع نہ سمجھا جائے تو اس صورت میں رسالت کی غرض ہی فوت ہو جائے اور بعثت رسل بے مقصد قرار پائے ،منکرین حدیث کا رسول کو بحیثیت رسول مطاع نہ سمجھنا قرآن کے کتنا مخالف ہے ،قرآن تو کہتا ہے کہ ہر رسول اطاعت ہی کیلئے مبعوث ہوا ہے اور منکرین حدیث کہتے ہیں کہ کوئی رسول اطاعت کیلئے نہیں آیا صرف ایمان کیلئے آیا ہے ۔صحابہؓ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے بعد کتاب اللہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی تلاش کیا کرتے تھے ،اگر وہ نہ ملتی تو اس کے بعد اپنی جانب سے جو سمجھ میں آتا فیصلہ کرتے اور اگر اس کے بعد بھی آپ کی سنت ہاتھ آجاتی تو اسی کا اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتے ،اگر بقول منکرین حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ان کی نظر میں صرف ایک امام کی حیثیت ہوتی تو وہ آپ کی اطاعت صرف آپ کے زمانہ حیات سے وابستہ سمجھتے اور اس کے بعد ان کے نزدیک آپ کے قضا اور فیصلوں کی حیثیت ایک عدالت کے فیصلے سے زیادہ نہ رہتی اور جس طرح ایک خلیفہ کا فیصلہ دوسرے کیلئے حجت نہیں ہوتا اس کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ موافقت کرے یا مخالفت یہی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے فیصلوں کی ہوتی ،مگر صحابہؓ کی تمام تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا جہاں کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے ثبوت کے بعد پھر اس کے خلاف فیصلہ کرنے کا اپنے دل میں خطرہ بھی محسوس کیا ہو ۔

رسول کی اطاعت وفات کے بعد بھی حالت حیات کی طرح ہی ہے

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ صحابہؓ کرام آپ کی اطاعت بحیثیت رسول کرتے تھے نہ کہ صرف بحیثیت امامت ،اور یہ کہ ان کے درمیان آپ کی حیثیت آپ کی وفات کے بعد بھی وہی تھی جو آپ کی حیات میں تھی ،دونوں حالتوں میں وہ آپ ہی کا فیصلہ تلاش کرتے تھے اور جب آپ کا فیصلہ

انہیں مل جاتا تھا تو دونوں حالتوں میں اس پر راضی ہو جانا اور اس کے خلاف میں اختیار باقی نہ رہنا بالکل یکساں سمجھتے تھے، یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے کسی ایک متنفس نے بھی آپ کی اطاعت میں زندگی اور وفات کے بعد ایک ذرہ برابر بھی کبھی فرق کیا ہو۔ان کے نزدیک جس طرح رسول کی وفات سے اس پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں ہوا اسی طرح اس کے احکام کی اطاعت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا حق بات یہ ہے کہ آپ نبوت سے سرفرازی کے بعد یوم وفات کے ایک ایک لمحہ تک کبھی حیثیت رسالت سے علیحدہ نہیں ہوئے، ہمیشہ آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت، آپ کی عظمت اسی منصب کے ماتحت ہوئی اور آج بھی آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت اور آپ کا احترام اسی منصب رسالت کے اعتبار سے ہے اور تا قیامت اسی حیثیت سے کیا جاتا رہے گا، اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ سب حق کے خلاف ہے۔

قرآن کیلئے رسول کی ضرورت

ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کیلئے رسول کی ضرورت ہے، جو شخص رسول کی احادیث سے مستغنی ہونا چاہتا ہے اور محض اپنی عقل سے قرآن کی تشریحات کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اللہ کے ساتھ آئین سازی میں شرکت کا مدعی ہے، اور جو شخص اپنے فیصلوں کو رسول کے فیصلہ کے ہم پلہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت رسول کا منکر ہے بلکہ رسالت کی ضرورت کا منکر ہے۔

کتاب اللہ کی عملی تشکیل بھی رسول کے فرائض میں سے ہے

حالانکہ قرآن کریم کو اپنی تلاوت کے ابتدائی مرحلہ سے لے کر اپنی مراد کی تعیین اور عمل کی تشکیل کے ایک ایک گوشہ تک رسول کی احتیاج ہے، رسول کی ضرورت صرف اتنی بات کیلئے نہیں ہوتی کہ وہ خدا کی کتاب ہم تک پہنچا دیں بلکہ اس سے بڑھ کر کتاب اللہ کی تعلیم، اس کا بیان اور اس کی عملی تشکیل بھی اس کے فرائض میں سے ہے، اسی لئے حدیث یعنی بیان رسول کا انکار اور رسول کا انکار ایک ہی مسئلہ ہے۔

نا قابل فراموش بات

یہ بات فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جو شخص رسول کا صحیح مقام نہیں پہچانتا، اس کی عظمت اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ بھی رسولوں کے منکرین ہی کی صف میں شامل ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک صاف منکر ہے اور ایک اقراری منکر ہے۔

ایک اہم سوال

منکرین حدیث سے یہ سوال بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ رسالت اور امامت کی دوحیثیتوں کی قسم کے بعد یہ بتلایا جائے کہ اسوۂ رسول کی پیروی کس حیثیت سے ہے، اگر حیثیت رسالت سے ہو تو اطاعت اس کا حق نہیں، اس حیثیت سے رسول کا حق صرف اس پر ایمان لانا ہے، اور اگر بحیثیت امامت قرار دی جائے تو پھر اسوۂ رسول ہی کی خصوصیت کیا ہے ہر امام اسوۂ حجت بن سکے گا، اور اگر یہ کہا جائے کہ اسوۂ رسول بعینہٖ قرآن پاک ہے لہٰذا اس کی اطاعت قرآن کی اطاعت میں درج ہے تو یہ بتانا چاہئے کہ جب کتاب اللہ اور اسوۂ رسول میں کوئی فرق ہی نہیں تھا تو پھر قرآن کے بعد اسوۂ رسول کی ضرورت کیا تھی، اور اگر اس اسوہ میں کچھ تفصیلات قرآن سے زیادہ تھیں تو پھر اس زیادہ میں رسول کی اطاعت کا جواب دیا جائے کہ وہ کس حیثیت سے ہے؟ رسالت کی حیثیت سے اطاعت واجب ہی نہیں ہوسکی اور امامت کی حیثیت اسوہ بننے کے قابل نہیں ہے۔ پھر امامت و رسالت کے حقوق میں بھی تضاد ہے، رسول پر بقول منکرین حدیث صرف ایمان لانا واجب ہے مگر امام پر ایمان نہ لانا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے تھے اور اس وقت اپنی اطاعت کا امر بھی فرماتے تھے مگر یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ کبھی آپ نے اپنے ان دو متضاد حقوق کو اپنے مختلف منصبوں سے خود متعلق سمجھا ہو یا دوسروں کو اس پر کبھی تنبیہ کی ہو، پھر اس وقت ان اُمّی مخاطبین کیلئے جنہوں نے منطق کا کوئی چھوٹا سا چھوٹا رسالہ بھی نہیں پڑھا تھا یہ تقسیم کرنا کتنا مشکل ہوتا ہوگا کہ وہ ان متضاد حقوق کو ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں کے ساتھ جدا جدا ملحوظ رکھیں، جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیثیت رسول فائز ہوں تو ان پر فوراً ایمان لے آئیں اور جب بہ حیثیت امام نمودار ہوں تو انکار کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ انکار بہ حیثیت امامت ہے نہ بہ حیثیت رسالت، یا یہ اطاعت بہ حیثیت امامت ہے نہ بہ حیثیت رسالت، یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقام رسالت کے صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے حقوق اطاعت و عظمت اور محبت کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، امین بحرمة سید المرسلین وآلہ و اصحابہ اجمعین۔

۲۲ ربیع الثانی ۹۱ھ بوقت ضحی پنجشنبہ

مولانا مفتی حبیب اللہ تونسوی

سرزمین جھنگ میں منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

عبرت ناک شکست

علماء دیوبند کے متعلق ساری دنیا کو معلوم ہے کہ یہ اہل سنت والجماعت کے نمائندہ اور اہل حق کے صحیح ترجمان ہیں ان کے عقائد ونظریات بھی وہی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے نظریات ہیں اور صدیوں سے یہ عقائد ونظریات ان کے مابین متفقہ طور پر چلے آرہے ہیں، انہی عقائد مسلمہ میں سے ایک عقیدہ ''حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام'' کا عقیدہ بھی ہے چنانچہ جمہور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ وفات کے بعد تمام انبیاء کرام خصوصاً سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر شریف میں حیات حاصل ہے اور یہ حیات روح مبارکہ کے جسد اطہر سے تعلق کے ساتھ اسی دنیوی جسد اطہر میں حاصل ہے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سماعت فرماتے ہیں۔

حضرات علماء دیوبند اصاغر واکابر سب کے سب اس عقیدہ پر متفق ہیں جیسا کہ ان کی متفقہ عقائدی دستاویز ''المہند علی المفند'' اور دیگر کتب وتحریرات سے واضح ہے، لیکن افسوس کہ کچھ عرصہ سے دیوبندی کہلانے والے حضرات نے بعض دیگر مسائل کی طرح اس عقیدہ میں بھی اکابر دیوبند سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا واضح طور پر انکار کر دیا ان کا کہنا ہے کہ ''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات تو مانتے ہیں لیکن یہ روحانی اور برزخی حیات ہے جسد اطہر اگر چہ روضۂ انور میں صحیح سالم محفوظ ہے لیکن چونکہ روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں اس لئے اس میں حیات نہیں ہے، اس طائفہ کا دعویٰ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور علماء دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے''۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ حضرات یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود بھی دیوبندی کہلانے پر مصر ہیں جبکہ علماء دیوبند کا قطعاً یہ عقیدہ نہیں ہے، بہر حال ملک میں کئی مقامات پر ان لوگوں نے اپنے اڈے قائم کئے ہوئے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو یہ گمراہ کر رہے ہیں، کچھ عرصہ سے جھنگ میں بھی انہوں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہوا تھا، جھنگ کے ذمہ دار حضرات اور علماء کرام نے مناسب سمجھا کہ عوام کو صحیح مسلک سے آگاہ کرنے کیلئے جلسے رکھے جائیں اور مسلک علماء دیوبند کی اس میں صحیح ترجمانی کی جائے

چنانچہ اس سلسلہ میں ۳/اپریل ۲۰۰۶ء کو محلہ مرضی پورہ مسجد محمودیہ جھنگ میں ایک جلسہ رکھا گیا جس میں مقامی علماء کرام حضرت مولانا محمد یاسین صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہم وغیرہ کے علاوہ صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو خصوصی دعوت دی گئی۔

استاذ محترم حضرت مفتی صاحب نے مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اہمیت کے پیش نظر اس موضوع پر مدلل ومفصل بیان فرمایا جو دو گھنٹے پر مشتمل تھا، حضرت کا بیان ایسا جچا تلا تھا کہ ایک ایک جملہ سے ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے فریق مخالف کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو، ایک آدمی کی زبانی میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ "حضرت نے بیان نہیں کیا بلکہ فریق مخالف کے کھوکھلے خرمن پر آگ اور شعلے برسائے ہیں" پھر کیا ہوا؟ مثال مشہور ہے الصدق مر سچ تو کڑوا ہی ہے، بات اگر کڑواہٹ تک ہوتی تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا، لیکن یہاں تو ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے کڑواہٹ کے ساتھ زہر گھول کر پلا دیا ہو۔

اس موضوع پر اگرچہ حضرت کے بیانات پہلے بھی ہوتے ہیں لیکن جامع مسجد محمودیہ محلہ مرضی پورہ جھنگ کا یہ بیان بے مثال، لاجواب اور الہامی تھا۔

چونکہ فریق مخالف اکثر یہ رٹ لگاتا پھرتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ نہیں ہیں اس لئے حضرت نے اس بیان میں فریق مخالف کو کھلے لفظوں یہ چیلنج دیا کہ "قرآن پاک کی کسی آیت میں نہیں آیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ نہیں ہیں، نہ کسی آیت کے اندر آیا ہے نہ حدیث میں آیا ہے، ایک روایت بھی نہیں اور ایک آیت بھی نہیں (بحوالہ کیسٹ تقریر ۳/اپریل ۲۰۰۶ء) (اگر فریق مخالف کے پاس کوئی آیت قطعی الدلالۃ یا حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض موجود ہو تو پیش کرے)۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ معتزلی میرے آزمائے ہوئے ہیں

بیان کے بعد فریق مخالف نے بڑا شور مچایا بالآخر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولانا مفتی عبدالغنی صاحب نے ان کے ذمہ دار حضرات سے گفت وشنید کے بعد ایک تحریر لکھ دی جس پر فریقین نے دستخط کر دیے۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب تو واپس گھر تشریف لے آئے لیکن حضرت کی زبان سے نکلے ہوئے چیلنج کے الفاظ کافی دیر تک فریق مخالف کے کانوں میں گونجتے رہے جس کی وجہ سے ان کا سکھ چین ختم ہوگیا، اسی دوران ۲رمئی کو جھنگ کے بعض احباب نے اپنے اصلاحی پروگرام کیلئے حضرت مفتی صاحب سے وقت لے کر جلسہ کا اشتہار شائع کردیا، فریق مخالف نے اس پروگرام کو خراب کرنے کیلئے سازش کی اور بزعم خویش چیلنج سے نمٹنے کیلئے سر جوڑ کر بیٹھے اور آپس میں مشورہ کے بعد ایک پمفلٹ شائع کرایا جس کا عنوان یہ تھا:

مفتی عبدالقدوس ترمذی آف ساہیوال کا جامع مسجد محمودیہ
محلّہ مرضی پورہ جھنگ صدر میں مسئلہ حیات النبی پر ۳رابریل کو
دیا گیا مناظرہ کا چیلنج قبول ہے۔

فریق مخالف کا یہ پمفلٹ ؏ ''لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا'' کا مصداق تھا۔ فریق مخالف جلسہ کو خراب کرنے اور چیلنج قبول کرنے سے راہ فرار اختیار کرنے کیلئے جو حربہ استعمال کر رہا تھا اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکا جیسا کہ آئندہ کی تفصیلات سے واضح ہے۔

اس پمفلٹ کی اطلاع جب حضرت مفتی سید عبدالقدوس صاحب کو ہوئی تو حضرت مفتی صاحب اپنے رفقاء حضرت مولانا شاہد مسعود صاحب، مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب اور مولانا ابراہیم طاہر کے ہمراہ ۲رمئی ۲۰۰۶ء بروز منگل ۱۱ بجے دن مدرسہ علوم شرعیہ میں تشریف لے گئے احقر بھی مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ پہنچ گیا، ملتان سے مناظر اسلام حضرت مولانا محمد انور اوکاڑوی صاحب بھی تشریف لے آئے، اور مولانا مفتی محمد اعظم ہاشمی صاحب بھی فیصل آباد سے مدرسہ میں پہنچ گئے۔

یہاں مدرسہ میں پہنچ کر فریق مخالف کو اطلاع دی گئی کہ حضرت مفتی سید عبدالقدوس صاحب یہاں جھنگ پہنچ گئے ہیں جس نے ان کا چیلنج قبول کیا ہے اس کو لے آؤ، کافی اصرار کے بعد انہوں نے اپنے کچھ احباب کو مناظرہ کی جگہ کے تعین اور ابتدائی بات چیت کیلئے مدرسہ علوم شرعیہ میں بھیجا، پہلے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نے ان سے گفتگو کی تو وہ چلے گئے، پھر دوسری مرتبہ آئے اس وقت ان سے جو گفتگو ہوئی وہ کچھ اس طرح تھی۔

نوٹ: اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کی طرف سے نمائندگی کے طور پر حضرت مولانا شاہد مسعود آف سرگودھا نے گفتگو کی۔

نمائندہ اہل سنت والجماعت: حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب کا چیلنج تم میں سے کس نے قبول کیا ہے؟

فریق مخالف: کیوں؟

نمائندہ اہل سنت: تا کہ وہ آئے اور ہمارے ساتھ مناظرہ کرے۔

فریق مخالف: علماء آئے ہوئے ہیں وہ تمہارے ساتھ مناظرہ کریں گے۔

نمائندہ اہل سنت: کیا چیلنج قبول کرنے والی کوئی برقعہ پوش ہے؟ نام تو بتاؤ! تا کہ ہمیں پتہ چلے وہ کون سا مائی کا لال ہے جس نے ہمارے شیر کا چیلنج قبول کیا ہے۔

فریق مخالف: (تنگ آ کر) ہماری پوری جماعت نے چیلنج قبول کیا ہے۔

نمائندہ اہل سنت: (مسکرا کر) شیر کا چیلنج تھا کسی ایک کو جرأت نہیں ہوئی قبول کرنے کی، پوری جماعت نے قبول کیا تو پھر بتاؤ ہمارے ساتھ مناظرہ کون کرے گا؟ مناظر کا نام بتا دیں؟

فریق مخالف: مولانا عبدالقدوس صاحب (غالباً ان کا نام لیا یہ شاید میانوالی کے ہیں)

نمائندہ اہل سنت: تو جس چیلنج پر مناظرہ ہونا ہے اس چیلنج کی عبارت لکھ لی جائے تا کہ بعد میں گفتگو کرنے میں آسانی رہے۔

فریق مخالف: ہاں ٹھیک ہے وہ چیلنج کی عبارت آپ لکھ کر ہمیں دے دیں۔

نمائندہ اہل سنت: آپ نے وہ کیسٹ نہیں سنی؟

فریق مخالف: وہ کیسٹ ہم نے سنی ہے۔

نمائندہ اہل سنت: تو پھر آپ ہی اس کیسٹ سے وہ عبارت لکھ لیں۔

فریق مخالف: نہیں نہیں وہ آپ کو ہی لکھ کے دینی پڑے گی، کیونکہ چیلنج آپ نے ہی کیا تھا۔

نمائندہ اہل سنت: چلو ہم ہی وہ عبارت لکھ دیتے ہیں (پھر ہمارے نمائندہ نے کیسٹ سے وہ چیلنج والی عبارت لکھ دی اور کہا) یہ لو وہ عبارت ہے چیلنج والی، یہ اب چیلنج ہم نے آپ کو دے دیا ہے آپ اس کو قبول کر کے اس پر دستخط کر دیں (ہمارے نمائندہ نے یہ کہہ کر وہ کاغذ فریق مخالف کو دیا)

فریق مخالف: نہیں نہیں ہم اس پر دستخط نہیں کرتے، جس نے چیلنج دیا ہے وہ اس پر دستخط کردے پھر ہم قبول کرنے کے دستخط کردیں گے۔

نمائندہ اہل سنت: او اللہ کے بندے جس نے چیلنج دیا ہے وہ دستخط کرے یا نہ کرے اس کا چیلنج تو کیسٹ میں ریکارڈ ہے اور وہ آپ کے پاس بھی ہے، اب پھر اس کے دستخط کی کیا ضرورت ہے؟ دستخط تو آپ کردیں تاکہ چیلنج کو قبول کرنے والے کا پتہ بھی چل جائے۔

فریق مخالف: ہم اس پر اس وقت تک دستخط نہیں کریں گے جب تک آپ لوگ اس پر دستخط نہیں کردیں گے۔

نمائندہ اہل سنت: آپ نے چیلنج کو قبول کرنے والے کا نہیں بتایا ہم چپ کر گئے، پھر آپ نے چیلنج والی عبارت نہیں لکھی وہ بھی ہم نے ہی لکھ کے دے دی، کوئی بات مانتے بھی ہو؟ چلو اس چیلنج والی عبارت پر ہمارے ثالث دستخط کردیتے ہیں، آپ بھی اپنے ثالثوں سے دستخط کرا کرلے آئیں تاکہ اسی موضوع پر بات شروع کی جائے۔

فریق مخالف: ٹھیک ہے آپ کے ثالث دستخط کردیں پھر ہم اپنے ثالثوں سے دستخط کرا کر لے آتے ہیں۔

نمائندہ اہل سنت: (اپنے ثالثوں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولانا اقبال شیروانی صاحب سے دستخط کرا کر کہنے لگے) یہ لیں ہم نے دستخط کردئے ہیں آپ بھی اپنے ثالثوں سے دستخط کرا کرلے آئیں۔

فریق مخالف: (دستخطوں والی تحریر کو ہاتھ میں لیتے ہوئے) ہاں تو پھر مناظرہ کس جگہ ہوگا؟ کسی مسجد میں ہوگا؟ یا کسی گھر میں؟ اور مناظرہ کرے گا کون؟

نمائندہ اہل سنت: پہلے اپنے ثالثوں سے دستخط کرا کر تو لے آؤ۔

فریق مخالف: نہیں نہیں یہ باتیں بھی طے ہونی چاہئیں۔

نمائندہ اہل سنت: بھائی آپ ذرا جلدی کررہے ہیں ساری باتیں طے ہوجائیں گی۔

فریق مخالف: نہیں نہیں یہ باتیں بھی ابھی طے ہونی چاہئیں۔

نمائندہ اہل سنت: بات یہ ہے کہ اس چیلنج والی عبارت (مناظرے کے موضوع) پر ہمارے

ثالثوں نے دستخط کردئے ہیں آپ بھی اپنے دوثالثوں سے دستخط کرا کرلے آئیں ، یہ چاروں حضرات جوجگہ متعین کردیں گے ہم وہاں مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہیں،اوریہ ثالث جس عالم کا کہیں گے وہ مناظرہ کرے گا۔

فریق مخالف: ہم ابھی ابھی اپنے ثالثوں سے دستخط کرا کرلے آتے ہیں۔

یہ کہہ کرفریق مخالف کے حضرات چلے گئے اورہمیں یقین تھا کہ یہ اب نہیں آئیں گے کیونکہ چیلنج کی عبارت پر دستخط کرنا یہ فریق مخالف کی موت اورواضح شکست تھی چنانچہ عشا کی نماز کے قریب جب مولانا محمد اقبال شیروانی صاحب نے فون پرفریق مخالف سے رابطہ کیاتوانہوں نے صاف کہا کہ ہم اس تحریر پر دستخط نہیں کرتے۔

ہمارے حضرات نے مشورہ کیا کہ فریق مخالف کے ڈھول کا پول کھولنے کیلئے آج یہاں جھنگ میں جلسہ ہونا چاہئے ،مشورہ کے بعدحضرت مولانا حکیم محمد یاسین صاحب مدظلہ والی مسجد اشرفیہ میں عشاء کی نماز کے بعد جلسہ طے پایااورمساجد میں جلسہ کے اعلانات کرادیے گئے ۔عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد اشرفیہ میں ہمارے حضرات پہنچ گئے اوربڑے زوروشور سے جلسہ کا آغاز ہوا۔

جلسہ میں مناظر اسلام حضرت مولانا محمد انوراوکاڑوی مدظلہ ،مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی اورمولانا شاہد مسعود نے باری باری بیان فرمایااورفریق مخالف کے دجل وفریب سے عوام الناس کوآگاہ کیا۔نمائندہ اہل سنت مولانا شاہد مسعود صاحب کے بیان کے دوران ہی تقریباً رات کے گیارہ بجے فریق مخالف کے کچھ احباب جامع مسجد اشرفیہ میں اپنے علماء کی طرف سے یہ تحریر لے کرآئے کہ ’’ہم مسئلہ حیات شہداء کرام کے موضوع پر بات کرنے کیلئے تیار ہیں،آپ آئیں اورہمارے ساتھ مناظرہ کریں‘‘۔

ہمارے حضرات نے سمجھ لیا کہ موضوع تبدیل کرکے فریق مخالف مناظرہ سے بھاگنا چاہتا ہے،تواس لئے انہوں نے فریق مخالف کی ’’تبدیلی موضوع ‘‘پرخوب گرفت کی اورفریق مخالف کو مخاطب کرکے علی الاعلان کہا کہ جس موضوع پر مناظرہ کا چیلنج تم نے قبول کیا تھااس پر مناظرہ کیوں نہیں کرتے؟اس پہلے سے طے شدہ موضوع پرآپ اپنی شکست لکھ کردے دیں ،پھرہم اس دوسرے موضوع پرتمہارے ساتھ مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہیں اوریہی بات لکھ کربھی فریق مخالف کوبھجوادی کہ

پہلے والے طے شدہ موضوع پر آپ اپنی شکست لکھ کر دے دیں پھر ہم دوسرے موضوع پر مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔

لیکن فریق مخالف ''چیلنج قبول ہے'' کا اشتہار تو دے بیٹھا لیکن جب اس سے اس پر دستخط کیلئے کہا گیا تو وہ اس کی جرأت نہ کر سکا اس پر جھنگ کے ذمہ دار حضرات نے اہل سنت والجماعت کے حق میں فیصلہ لکھ دیا اور فریق مخالف کی شکست پتھر پر لکیر کی طرح کندہ ہوگئی، اور سب نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ حضرت الاستاذ نے صحیح فرمایا تھا ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے — یہ معتزلی میرے آزمائے ہوئے ہیں

ذمہ دار حضرات کے فیصلہ کا متن یہ ہے:

ذمہ داران اہل سنت والجماعت کا اعلان
مماتی ٹولہ کے نام ایک پیغام

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر آپ نے حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہم کا چیلنج قبول کیا، چیلنج کی عبارت حضرت مفتی صاحب کی تقریر کے ریکارڈ شدہ کیسٹ میں بھی موجود ہے اور حضرت مفتی صاحب نے مورخہ ۲؍مئی کو لکھ کر بھی آپ کے ذمہ داران کے ہاتھوں آپ کی طرف بھیجی اور مطالبہ کیا کہ اس پر مناظرہ کرنے کیلئے دستخط کر دیں ورنہ تمہاری پوری جماعت کی شکست سمجھی جائے گی مگر آپ حضرات اس پر تیار نہیں ہوئے، بلکہ حیلے بہانے سے موضوع بدلنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

لہٰذا ہم بحیثیت ذمہ دار آپ کی جماعت کی شکست کا اعلان کرتے ہیں جب تک آپ اس موضوع پر شکست کو تسلیم کر کے شائع نہیں کریں گے اس وقت تک آپ کو کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کے مطالبہ کے حق نہیں ہے۔

دستخط	دستخط
عبدالرحیم غفرلہ	محمد اقبال خان شروانی عفی عنہ
مدرس جامعہ محمودیہ جھنگ	سرپرست جمعیۃ اہل سنت والجماعت جھنگ
۳ مئی ۲۰۰۶ء	

مولوی عابد محمود حقانی

اسم مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم

فضائل ومناقب اور خصوصیات (قسط۳)

احمد ومحمد اور حماد کے معنی

کتاب ہدیٰ میں لکھا ہے کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی احمد اس لحاظ سے ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کی بہت زیادہ حمد وثنا اور تعریف کرنے والے ہیں تو زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام حماد ہوتا (کیونکہ اس کے معنی میں اور بھی زیادہ شدت ہے، یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا) جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے (سیرت حلبیہ ص۲۶۱ ج۱)

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام یعنی احمد کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کی آسمان والے اور زمین والے اور دنیا والے اور آخرت والے سب تعریف کریں، یہ تعریف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ان خوبیوں اور عمدہ صفات کی وجہ سے ہے جن کا شمار کرنا اور اندازہ کرنا کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تمام مخلوقات سے زیادہ حقدار و مستحق ہیں کہ آپ کی تعریف کی جائے، چنانچہ احمد نام محمد کے معنی میں ہے (محمد یعنی جس کی تعریف کی جائے) اب گویا لفظ احمد میں یہ فعل یعنی تعریف وحمد کرنا وہ فعل نہیں ہے جو فاعل یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہو رہا ہے بلکہ یہ حمد اور تعریف کرنے کا فعل ایک ایسا فعل ہے جو دوسروں سے سرزد ہو رہا ہے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات بابرکات اس فعل کا وہ مفعول ہے جس پر یہ فعل واقع ہو رہا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آپ کے نام نامی احمد کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں بلکہ یہ محمد کے معنی میں ہے کہ وہ ذات جس کی زمین وآسمان والے بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں، مگر اس طرح محمد اور احمد کے معنی ایک ہو جاتے ہیں، چنانچہ اس کا ایک باریک اور لطیف فرق بتلاتے ہیں کہ) اب محمد اور احمد کے معنی میں یہ فرق ہوگا کہ محمد تو وہ جس کی لوگ بہت زیادہ تعریف کریں اور احمد وہ کہ لوگ جن کی تعریف کرتے ہیں ان میں اس کی تعریف سب سے زیادہ فضیلت والی ہو۔

چنانچہ آگے شفاء کے حوالے سے یہ بیان آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد المحمودین

اور احمد الحامدین ہیں یعنی جن کی تعریف کی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی گئی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں ان میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ احمد میں تعریف وحمد کا فعل وہ فعل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے دوسروں سے آپ کی ذات کیلئے واقع ہو رہا ہے..... مگر علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ آپ احمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں ہیں (مطلب یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی اس سے پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا بیان کرنے والے ہیں، اسی لئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ذریعے پہلے کیا گیا) (سیرت حلبیہ ص۲۶۲ ج۱) شافعی علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ احمد نام میں وہ تعظیم اور احترام نہیں ہے جو محمد نام میں ہے، اس لئے کہ یہی نام یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ناموں میں سب سے زیادہ مشہور اور افضل ہے، اسی لئے (نماز کے دوران) تشہد یعنی التحیات میں محمد کے بجائے احمد کہنا کافی نہیں ہے (سیرت حلبیہ ص۲۶۲ ج۱)

محمد واحمد دونوں اولین نام

مگر کتاب شفاء میں یہ لکھا ہے کہ ان دونوں ناموں یعنی محمد اور احمد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست نشانیاں اور عظیم خصوصیات چھپی ہوئی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونا موں کو اس سے محفوظ رکھا کہ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی دوسرے کے رکھے جائیں۔ ان دونوں ناموں میں سے جہاں تک احمد نام کا تعلق ہے یہ پرانی آسمانی کتابوں میں آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق) اسی نام سے خوشخبری دی گئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب سے دنیا وجود میں آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ نام یعنی احمد کسی دوسرے شخص کا نہ رکھا جائے اور نہ کوئی شخص اس لفظ سے پکارا جائے۔ علامہ زین عراقی نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہ رکھا جائے تا کہ کمزور اعتقاد لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ پیدا نہ ہو۔

چنانچہ یہ نام رکھا جانا بھی ان تمام لوگوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے ہوئے ہیں مگر حافظ سیوطیؒ نے کتاب خصائص صغریٰ میں اس کے متعلق جو لکھا ہے

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام یعنی احمد رکھے جانے کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت صرف انبیاء علیہم السلام پر ہے (یعنی انبیاء علیہم السلام میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا البتہ عام لوگوں کا یہ نام رکھا گیا) (سیرت حلبیہ ص ۲۶۱ ج ۱)

اسم کا اثر مسمّی پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمد رکھنے کی جو وجہ پیچھے گذر چکی ہے (کہ زمین و آسمان میں آپ کی تعریف کی جائے) اس سے یہ مقولہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسم اور مسمّی یعنی نام اور نام والے میں اچھائی و برائی اور پاکیزگی اور عدم پاکیزگی کے لحاظ سے مناسبت اور موافقت ہونی چاہئے (یعنی جو نام کے معنی ہیں وہ صفات نام والے میں بھی ہونی ضروری ہیں کہ اگر کسی کا نام فاضل ہے تو اس شخص کو بھی عالم و فاضل ہونا چاہیے یا اگر کسی کا نام شریف ہے تو اس نام والے شخص کو بھی شریف اور نیک ہونا چاہئے تا کہ یہ نام اس کو جچے) اسی وجہ سے اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے قدیم اور برے نام بدل کر (اس نام والے کی خوبیوں کے مطابق) اچھے نام رکھ دیے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ (کفار کے) اچھے ناموں کو بدل کر برے نام رکھ دیے جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمرو بن ہشام یعنی ابوالحکم کا نام بدل کر ابوجہل رکھ دیا تھا (یہاں تک کہ یہ نام ایسا مشہور رہوا کہ لوگ ابوجہل کا اصل نام بھول گئے اور اب وہ صرف اسی نام سے مشہور رہے) اسی طرح ایک اور دشمن اسلام ابو عامر کو ابو عامر راہب کہا جاتا تھا مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا تھا (سیرت حلبیہ ص ۲۵۷ ج ۱)

اسی طرح صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حزن بن ابو وہب فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، یہ حضرت سعید بن مسیّب کے دادا تھے (چونکہ ان کا نام حزن تھا جس کے معنی ہیں رنج و غم جو ایک برا نام ہے اس لیے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس کا نام بدل دیں اور اس کے بجائے سہل رکھ دیں مگر حزن نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں وہ نام نہیں بدلوں گا جو میرے ماں باپ نے رکھا ہے، چنانچہ ان کے پوتے حضرت سعیدؒ کہتے ہیں کہ ہمارے گھرانے میں ہمیشہ غم اور صدمے رہے۔ (سیرت حلبیہ ص ۲۵۸ ج ۱)

(جاری ہے)

جناب قاری محمد زکریا ذکی صاحب

کیا چیز ہے دعا؟

جس کا خدا کی ذات پر یقین نہ ہو اس کا دعا پر کیوں یقین ہوگا، دعا دراصل ندا ہے، فریاد ہے، مالک کے سامنے التجا ہے اپنی فانی اور محدود زندگی کی کسی الجھن سے نکلنے کیلئے۔ فریاد کا سلسلہ پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے، معصوم اور بے شعور بچہ فریاد اور پکار سے زندگی کے سفر کا آغاز کرتا ہے اور اس کے بعد یہ عمل جاری رہتا ہے، انسان فریاد کرتا ہی رہتا ہے کسی نہ کسی مشکل سے نجات کیلئے۔

بیمار آدمی جب اللہ کو پکارتا ہے تو وہ اپنی بیماری سے نجات چاہتا ہے، اسے اللہ کے ساتھ دوسری وابستگیاں یاد نہیں رہتیں، وہ صرف علاج چاہتا ہے، شفاء چاہتا ہے، غریب آدمی غربت سے نجات مانگتے ہیں، محبت کرنے والے اللہ سے محبوب کا قرب مانگتے ہیں، غرضیکہ ہر انسان ایک الگ خواہش لے کر اللہ کو پکارتا ہے، اگر گوش باطن سے سنا جائے تو یہ کائنات ایک مجسم فریاد کی صورت نظر آئے گی، آداب دعا اور فضیلت دعا مذہب نے سکھائی ہیں لیکن یہ شعور زندگی میں موجود ہے۔

بچہ بیمار ہو جائے تو ماں کو آداب دعا خود بخود آ جاتے ہیں، جہاز خطرے میں ہو تو مسافروں کو دعا سکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی، دعا ان کے دل سے نکلتی ہے بلکہ ان کی آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکتی ہے

دعا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں دعا مانگنے والا ہے وہیں دعا منظور کرنے والا ہے، اگر آپ بآواز بلند دعا مانگیں تو وہ دور سے سنتا ہے، اگر آپ دل میں دعا مانگیں تو وہ وہیں سنتا ہے، دعا کا انداز تقرب کے اظہار کا اعلان ہے، دعا الفاظ کی محتاج بھی ہے اور الفاظ سے بے نیاز بھی۔

دعا پر اعتماد اعلیٰ درجہ ہے ایمان کا، جب کسی قوم یا فرد کا دعا سے اعتماد اٹھ جائے تو آنے والا وقت مصیبت کا زمانہ ہوتا ہے، گناہ اور ظلم انسان سے دعا کا حق چھین لیتے ہیں۔

دعا مانگنا شرط ہے منظوری شرط نہیں، اللہ کریم کے پاس مکمل اختیار ہے چاہے تو گناہ گار کی دعا منظور کر لے، نہ چاہے تو پیغمبر کی دعا بھی منظور نہ فرمائے، جناب نوح علیہ السلام ہزاروں برس اللہ کے دین کی خدمت کرتے رہے آخر ان کا بیٹا طوفان کی نذر ہو گیا لیکن ان کے ایمان میں فرق نہیں آیا، دعا آخر سوال ہی تو ہے، ماننے والا مانے یا نہ مانے۔

دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ ہونے دے، دعا یہ ہے کہ ہمارا دل نور ایمان سے روشن ہو جائے۔

دعا یہ ہے کہ اتنا کرم نہ ہو کہ ہم اس کی یاد سے غافل ہو جائیں اور اتنا ستم نہ ہو کہ ہم اس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں، دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں منظور ہونے والی دعاؤں کی آگہی عطا فرمائے اور وہ دعائیں جن پر باب قبول بند ہو ان کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

انسان اکثر ان چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اس کیلئے نقصان دہ ہیں اور اکثر ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہے جو اس کیلئے مفید ہیں، ہم اپنی پسند کی چیزیں مانگتے ہیں اور جب وہ حاصل نہیں ہوتیں تو ہم شور مچاتے ہیں حالانکہ ان کا حاصل نہ ہونا ہمارے لئے مفید ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مسنون دعائیں مانگی جائیں مثلاً آئینہ دیکھنا ہے اس کیلئے بھی دعا ہے کہ اللہ میرے چہرے کی طرح میرے کردار کو بھی خوب صورت بنا دے۔

واقعہ ہے کہ ایک آدمی گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا ایک مقرب فرشتے کا گذر ہوا وہاں سے، عابد پہچان گیا کہ یہ فرشتہ ہے بولا بھئی میری چند دعائیں اللہ میاں کے ہاں پہنچا دو، پھر اس نے آرزوئیں گنوانی شروع کیں، فرشتہ بولا بس بس! میں سمجھ گیا، وہ بولا کیا سمجھ گئے ابھی تو بات بھی مکمل نہیں ہوئی، فرشتے نے کہا میں اللہ میاں سے کہہ دوں گا کہ تیرا فلاں بندہ کہہ رہا تھا کہ مالک مجھے اپنے علاوہ سب کچھ دے دو، بس بات اتنی سی ہے کہ ہم اس سے اس کے تقرب کے علاوہ سب کچھ مانگتے ہیں اور پھر گلہ کرتے ہیں کہ دعا منظور نہیں ہوتی۔

ماں کی دعا ہے دشت ہستی میں سایۂ ابر ہے، پیغمبر کی دعا امت کی فلاح ہے، بہر حال جب تک زندگی ہے دعا رہے گی، دعا آہ ہے، فریاد ہے، شب تاریکی میں ٹپکنے والا آنسو بھی دعا ہے، سر نیاز کا بے نیاز کے سامنے جھک جانا بھی دعا ہے، کسی بے بس کی نگاہ کا خاموشی سے سوئے فلک اٹھنا بھی دعا ہے، بلکہ مضطرب دل کی دھڑکن بھی دعا ہے، کسی دور رہنے والے کو محبت سے یاد کرنا بھی دعا ہے، روح کی مخلصانہ آرزو بھی دعا ہے۔

اللہ کریم نیک دعاؤں کو دل لگی سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

خواتین کا صفحہ

مولوی عمر فاروق راجن پوری

اسلام کی پہلی شہیدہ

جس طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر مردوں نے لبیک کہہ کر قبول کیا اور اس تہذیب کی زلفوں کو انہوں نے سنوارا اور اسی سے معیشت کے چہرے کو نکھارا، جہالت کے اندھیروں اور کفر وشرک کی ظلمتوں میں انہوں نے ہدایت کی شمعیں روشن کیں، اللہ کا نام بلند کرنے کیلئے جان، مال، اولاد جس شے کی ضرورت پڑی حاضر کر کے رکھ دی، ان قدسی صفات انسانوں اور شمع رسالت کے پروانوں نے رضائے الٰہی کی خاطر راہ حق میں جو تکالیف ومصائب وآلام برداشت کئے جن کو پڑھ کر جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، اسی طرح عورتوں نے بھی معرفت الٰہیہ کے لبالب جام پئے، باوجود صنف نازک ہونے کے جس دردمندی اور خلوص دل سے اسلام کو قبول کیا۔ اس کا اعتراف کرنا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کیونکہ یہ نفوس قدسیہ امت اسلامیہ کے محسنین ہیں اور یہ امت ان کے احسانات کے بارگراں سے تا ابد سبکدوش نہیں ہوسکتی اور یہ نقوش سیرت دینی جذبہ اور قوت ایمانی کے ایسے سرچشمے ہیں جن کی بدولت یہ امت فوز وفلاح کے راستے پر گامزن ہوسکتی ہے، آسمان صداقت کے یہ وہ روشن ستارے ہیں جنہیں دیکھ کرامت کے سفینہ کیلئے منزل مقصود کا رخ متعین کیا جاسکتا ہے۔

صحابیات وہ مقدس خواتین ہیں جو نہ صرف سبقت الی الاسلام میں مردوں کے دوش بدوش رہیں بلکہ لوائے توحید تھام کر انہوں نے سیرت وکردار اور انسانیت کے وہ نمونے پیش کئے جن کی مکمل اور جامع نظیر انسانی تمدن کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، ان کی دینی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی زندگی کو دیکھیں تو اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ان پاک نہاد باہمت خواتین نے صفحۂ تاریخ پر اپنی سیرت وکردار کے وہ نقوش ثبت کئے جن کا ہر پہلو سعادت مند روحوں کیلئے مشعل راہ اور درس ہدایت ہے۔

یوں تو اسلام قبول کرنے کے جرم میں عام طور پر کمزور اور بے سہارا لوگوں پر مکہ میں وہ ستم ڈھائے گئے جن کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، خاص طور پر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا گھرانہ اسلام قبول کرنے کی خاطر قریش کی زیادتیوں کا نشانہ بنا رہا۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا بنومخزوم کی لونڈی تھیں، جب اسلام کا سورج چمکا اوراس کی مہک اطراف میں پھیلی تو میاں، بیوی اور بیٹا تینوں نے اسلام قبول کرلیا ،مغیرہ کے خاندان نے تکلیفیں دینا شروع کیں یہ اس خاندان کی غلام تھیں، ہر روز طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں، کبھی ڈنڈوں سے زدوکوب کیا جاتا، اتنا مارتے کہ مارنے والے تھک جاتے ،ظلم کرنے والوں کے حوصلے پست ہوجاتے مگراس مظلومہ کی استقامت اور ثابت قدمی میں ذرابرابر بھی فرق نہ آیا، کسی نے کیا خوب کہا ۔

زمانہ معترف ہے اب تک ہماری استقامت کا نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا

کبھی ان کو مکہ کی جلتی ریت میں کھڑا کیا جاتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تپتی ریت پر لٹادیا جاتا، گرمی کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہوجاتیں، جب ہوش میں آتیں زبان سے جاری ہوتا لا الـہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ۔حضور اکرم ﷺ جب گذرتے تو توحید کی اس متوالی بڑھیا کو دیکھ کر فرماتے یاسر کے گھر والو! صبر کرو جنت تمہاری منتظر ہے۔

ایک روز دن بھر کے مصائب وآلام سہہ کر شام کو گھر واپس آرہی تھیں، راستے میں جب ابوجہل نے ان کو دیکھا تو گالیاں دینی شروع کیں ،متکبر مغرور گالیاں بکتے بکتے اس قدر بدحواس ہوا کہ برچھی اٹھا کر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کھینچ ماری، برچھی ایسی کاری لگی کہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالی عنہا وہیں شہید ہوگئیں ۔خدا تعالی کی قدرت دیکھیں اسلام کے جاں نثاروں کی صف اول میں سب سے آگے جو نظر آرہا ہے وہ ایک عورت ہے جس کو راہ حق کے اندر سب سے پہلے شہید ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم ایک عرصہ سے علیل ہیں قارئین سے حضرت خواجہ صاحب دامت برکاتہم کی صحت کیلئے خصوصی دعاء کی درخواست ہے ۔(ادارہ)

یادرفتگاں مولانا عبدالکریم تونسوی

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے دین اسلام کی حفاظت کا یہ انتظام فرمادیا ہے کہ اس دین اسلام کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے ایسے لوگوں کا انتخاب فرمایا ہے جو اس سے تحریف وجھوٹ کو اور جاہلوں کی افترائی تشریحات وتعبیرات کو دور کر کے اس کی رونق کو نکھارتے رہتے ہیں اور ہر زمانہ میں اس کے روشن چہرے کو واضح کر کے پیش کرتے رہتے ہیں جیسا کہ فرمان نبوی ہے کہ ہر آنے والی نسل سے اس کے نیک لوگ اس علم دین کو لیں گے وہ (اس دین میں) حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریف (تغیر وتبدل) کو اور اہل باطل (بے ہودہ کلام کرنے والوں) کی جھوٹی نسبت کو اور جاہلوں کی غلط تاویل کو اس سے دور کریں گے۔

انہیں حفاظت دین کا فریضہ سرانجام دینے والی شخصیات میں سے فقیہ العصر، وحید الدہر، رئیس المحققین مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جنہوں نے اکابر علماء اہل السنۃ والجماعۃ مثلاً شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلمذ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مبارک صحبت ورفاقت، حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت ورفاقت سے فیض حاصل کیا۔ تحصیل علم کے بعد اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حق گوئی کی وہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گی، حضرت ترمذیؒ نے ہر موڑ پر دین اسلام میں رخنہ اندازی کی سعی لاحاصل کرنے والوں کا تعاقب کیا اور ان کے کذب وافتراء کو دور کر کے اسلام کی حقانیت کو اجاگر کیا اور اسے اپنی اس حالت پر پیش کیا جس پر وہ نازل ہوا تھا اور صراطِ مستقیم کے نکتۂ اعتدال کو واضح کیا۔

اس پرفتن دور میں ایک موقعہ ایسا آیا کہ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو مسلک دیوبند سے منسوب کر کے دیوبندیت (جو کہ درحقیقت اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک تعارفی نام ہے) میں اعتزال وخروج کے گندے جراثیم داخل کرنے کی کوشش کی تو اس موقع پر حضرت ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلکِ حق کو ان گندے جراثیم سے پاک رکھنے کیلئے اپنی مساعی جمیلہ کو وقف کر دیا، اپنی زبان وقلم سے عوام الناس کو فتنہ پردازوں کی تحریفات سے آگاہ کر کے حفاظت دین مبین کا فریضہ سرانجام دیا اور

''ہدایۃ الحیران'' اور ''حیات انبیاء علیہم السلام'' جیسی بیش بہا کتابیں حضرت کے دستِ حق پرست سے معرضِ وجود میں آئیں جن سے استفادہ کر کے عوام وخواص نے اس خطرناک فتنہ سے نجات پائی۔

اور شومیٔ قسمت سے ایک دفعہ پھر ایسا موقعہ آیا کہ کچھ دیوبندی کہلانے والوں نے بدعت اور غلو فی الدین کے جراثیم سے دین حق کی خوشگوار فضا کو مسموم کرنے کی کوشش کی حالانکہ درحقیقت دیوبندیت بدعت کو مٹانے، سنت کو زندہ کرنے کا نام ہے، تو اس موقع پر اس محافظِ دین حق کو عالم دین کو اضطراب لاحق ہوا اور فوراً قلم کی تلوار اٹھا کر مداہنت فی الدین کے مرتکبین کا تعاقب کیا اور ان کے مغالطات سے عوام کو آگاہ کر کے حق واضح کیا اور ان کی تحریفات اور تلبیسات کا پردہ چاک کیا اور انکے قلم سے ''اکابر کے مسلک ومشرب پر تحقیقی نظر'' جیسا رسالہ منصۂ شہود پر ظاہر ہوا، چنانچہ اس غلطی میں مبتلا ہونے والوں کو اعتراف حق کرنا پڑا۔ مذہب دین کے بارے میں افراط وتفریط ختم کرنے اور راہِ اعتدال کو واضح کرنے کی حضرت کی کوششوں کی یہ ادنیٰ مثال ہے، حالانکہ ایسے موقع پر عام طور پر ایک پہلو کی اصلاح کو اپنا فریضہ سمجھ کر دوسری جانب سے پہلو تہی کی جاتی ہے مگر حضرت ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جانبوں کو مدنظر رکھا اور افراط وتفریط دونوں کو ختم کیا۔ جس جانب سے اعتدال کی حدود سے تجاوز کیا گیا حضرت نے فوراً اس کی اصلاح فرمائی اور اسلام کا نکتۂ نظر یہی ہے کہ وہ انسان کو افراط وتفریط سے ہٹا کر راہِ اعتدال اور صراط مستقیم پر چلاتا ہے، اسلام نہ تو محض قوانین کا پابند بنا کر ان کی عملی تشریح کرنے والی شخصیات مقدسہ سے لاتعلق کرتا ہے نہ ہی شخصیات کی پیروی کو لازم کر کے قوانین شریعت سے آزادی عطا کرتا ہے بلکہ قوانین وشخصیات دونوں کو اپنا کر راہ اعتدال حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں تک اپنے قوانین پہنچانے کیلئے صرف کتاب ہی نہیں بھیجی بلکہ اس کے معانی ومطالب سے آگاہ کرنے کیلئے اور اس کی عملی تعلیم دینے کیلئے کتابوں کے ساتھ انبیاء ورسل کو بھی مبعوث فرمایا ہے، قوانین اور شخصیات میں سے کسی ایک کے ترک سے گمراہی پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کو ان کے اپنے اپنے مراتب پر رکھ کر اپنانے سے راہِ راست حاصل ہوتی ہے، اسی نکتۂ اعتدال کا نام صراط مستقیم ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کو امۃً وسطا (راہِ اعتدال پر چلنے والی امت) فرمایا گیا۔

حضرت ترمذی رحمہ اللہ اسی راہِ اعتدال کے داعی تھے اور اس میں پیدا ہونے والی افراط وتفریط کو ختم کرنے والے تھے اور اسی راہِ راست کا کماحقہ دفاع کرنے والے تھے، چنانچہ اہل باطل آپ کی

حق گوئی سے مرعوب تھے اور حضرت رحمہ اللہ کی زندگی حفاظتِ دین کیلئے ہی وقف تھی ۔اللہ تعالیٰ نے موصوف کو بے مثال فقاہت اور علم میں بہت زیادہ وسعت اور گہرائی عطا فرمائی تھی آپ کے زبان وقلم سے عوام وخواص، طلباء وعلماء یکساں مستفید ہوتے تھے۔

حضرتؒ کی تصنیفات کی تعداد دیکھصد سے زائد ہے جن میں سے بہت بڑا تصنیفی وتفسیری، علمی وفقہی کارنامہ تکملہ احکام القرآن (بزبان عربی) ہے جس میں مسائل حنفیہ کو آیات قرآنیہ سے استنباط (حاصل) کیا گیا ہے اور اس کی ضخامت دو ہزار صفحات ہے۔

حضرت ترمذی قدس سرہ کی تصنیفی یادگاروں کے ساتھ ساتھ ایک یادگار حضرت کا جاری کردہ وہ دینی ادارہ ہے جو جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے نام سے موسوم ہے جس کی بنیاد رکھ کر حضرت نے گم گشتگان راہ کیلئے ہدایت کا سامان پیدا کیا اور اس سے سینکڑوں تشنگان علوم شریعت (طلباء) اپنی علمی پیاس بجھارہے ہیں حفظھا اللّٰہ من الشرور والفتن۔

حضرت ترمذی رحمہ اللہ اچانک اس دار فانی سے انتقال کر کے راہی دار البقاء اور واصل باللہ ہو گئے مگر ان کی محبت ہر صاحب علم اور دیندار آدمی کے قلب وجگر میں پیوست رہے گی۔

راقم اثیم کو متعدد دفعہ حضرت کی زیارت اور بالمشافہ گفتگو اور براہِ راست مستفیض ہونے کا موقع ملا جس کو بندہ عظیم انعام خداوندی سمجھتے ہوئے اس پر بلند وبالا ذات لامتناہی صفات (اللہ) کی حمد وثنا اپنی حقیر زبان سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے فلہ الحمد اولا واخرا ظاھرا وباطنا۔

حضرتؒ کی جدائی ہمارے دلوں میں گہرے زخم چھوڑ گئی اور موت العالِم موت العالَم بن کر ہمیں یتیم کر گئی ۔آخر میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی لحد مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے جاری کردہ چشمۂ فیض (جامعہ حقانیہ) کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور حضرت کی تمام اولاد خصوصاً حضرت کے جانشین صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس شاہ صاحب کو علمی وروحانی ترقیات سے نوازے اور جمیع آفات وبلیات سے محفوظ رکھے اور تمام مسلمانوں کو حضرت جیسے تصلب فی الدین اور استقامت علی الحق کی توفیق عطا فرمائے ۔امین ثم امین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

حافظ محمد ارشد زبیر

خوش رہنے کا طریقہ

مدنی ویلفیر اینڈ ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن (رجسٹرڈ) کا پیغام ہر انسان کے نام

یہ بات کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ ناسازگار حالات کا مقابلہ کرے لیکن کوشش کرنا تو بہرحال انسان کے اختیار میں ہے انجام تک پہنچنا اس کے اختیار میں نہیں ہے، اس کیلئے ضروری ہے کہ سفر کے درمیان آنے والی مشکلات اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور تکلیف دہ چیزوں میں الجھنے کی بجائے ان سے کنارہ کش ہو کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔

سمندر میں دوڑتی ہوئی کشتی کے سامنے اگر کوئی چیز مثلاً پہاڑ وغیرہ آجائے تو ملاح کشتی کا رخ موڑ کر اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے، اگر وہ اس میں الجھ جائے تو کبھی بھی اپنی منزل پر نہ پہنچ پائے اس لئے ہر انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سینے میں قبرستان بنائے جس میں لوگوں کے قصوروں کو دفن کرتا رہے تو اسے بھی ان شاء اللہ زندگی میں سکون رہے گا، ٹکراؤ کی بجائے برداشت پیدا ہوگی نفرتوں کی بجائے محبتیں پیدا ہوں گی اور انسان ذہنی پریشانیوں سے بھی محفوظ رہے گا اور حسد کی آگ سے بھی محفوظ رہے گا، ورنہ حسد کی آگ کے شعلوں کی وجہ سے خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی اس آگ میں ڈال دے گا۔

حسد تمام نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے (الحدیث)

تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بھی اگر نیکی کرے تو اس سے اچھے کی امید نہ رکھے بلکہ نیکی کر کے بھول جائے تو اس نیکی کرنے میں سکون نصیب ہوگا کیونکہ جب نیکی اللہ کیلئے کی ہوگی تو فکر نہ ہوگی، تو جس کیلئے نیکی کی ہے اسی سے بدلہ کی امید ہوگی اللہ تعالیٰ ہی بہتر بدلہ عطا کرنے والا ہے۔

اور غم آدھا بڑھاپا ہوتا ہے تو اس لئے ضروری ہے کہ اپنی آمدن سے زائد اخراجات نہ کرے اور قرض لینے سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرے، مجبوری کی حالت میں اگر قرض لینا بھی پڑے تو جلد از

جلد واپس کرنے کی کوشش کرے کیونکہ مقروض آدمی ہر وقت پریشان رہتا ہے اور خودکشی کی نوبت آجاتی ہے، بزرگوں سے سنا ہے کہ جتنا غم کم ہوگا اتنی فکر کم ہوگی، جتنی فکر کم ہوگی اتنی زیادہ انسان اللہ کی عبادت کر سکے گا۔

صاحب استطاعت کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے (الحدیث)

اور خوش رہنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ اپنے سے کمزور افراد پر اپنی آمدن میں سے خرچ کرے، اس طرح دکھی انسانیت پر خرچ کرنے سے بھی انسان کو خوشی نصیب ہوتی ہے۔

جو لوگ صرف اپنی ذات کیلئے خوشیاں حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں ان کو اگر خوشیاں حاصل بھی ہو جائیں تو عارضی ہی ہوتی ہیں، دائمی خوشیاں تب نصیب ہوتی ہیں جب دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہوا جائے۔

مدنی ویلفیئر کا یہی مشن اور پیغام ہے، ہم آپ کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ اس کارواں میں شامل ہو جائیں، آئیں آگے بڑھیں اور دکھی انسانیت کی خدمت کریں اس سے بھی ان شاء اللہ دائمی خوشیاں نصیب ہوں گی ۔

لمحہ ملا نہ ایک بھی کرنے کو نیک کام
حالانکہ اس جہاں میں ہم کم نہیں رہے

سید عبدالباسط ترمذی

اللہ والوں کی صحبت

حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم، امابعد

احقر کی یہ انتہائی سعادت اور خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے ولی کامل یادگار حکیم الامت مجدد ملت نوراللہ مرقدہ اویس زمانہ حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر دامت برکاتہم کی خدمت عالیہ میں پہنچایا اور حضرت اقدس کی مجلس میں حاضری کی توفیق دی والحمد للہ علی ذلک کلہ۔

کچھ عرصہ قبل اگر چہ احقر حضرت اقدس مدظلہم کی زیارت سے بہرور ہو چکا ہے تاہم دل میں ایک زمانہ سے یہ شدید خواہش تھی کہ ایک مرتبہ پھر آپ کی زیارت اور مجلس میں حاضری دوں اللہ تعالی کا فضل ہے کہ اب اس نے اس کا موقع عطا فرما دیا اور احقر اپنے والد ماجد حضرت مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی دامت برکاتہم کے ہمراہ مورخہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ اسلام آباد پہنچا اور ہفتہ کے دن عصر کے وقت حضرت والا کی زیارت سے مشرف ہوا فللہ الحمد ولہ الشکر اس سفر وسیلہ ظفر میں احقر کے علاوہ برادران گرامی سید عبدالباری، سید عبدالناصر اور سید عبدالملک ترمذی بھی ہمراہ تھے، اگر چہ نماز سے قبل حضرت والا کی زیارت ہوگئی تھی لیکن ہم عصر کے بعد بھی وہیں ٹھہر گئے اور مغرب کے بعد حضرت والا کی دوبارہ زیارت کے بعد جناب مولانا مفتی محمد شاکر صاحب کے گھر واپس ہوئے اور رات کا قیام وہیں کیا۔ اتوار کے روز حضرت اقدس دامت برکاتہم کی عام مجلس تھی جس میں بہت سے عام وخواص حضرات کے علاوہ مولانا مفتی محمد شاکر صاحب احقر کے استاذ محترم جناب مفتی محمد عبداللہ صاحب چنیوٹی اور چچا سید عبدالنعیم ترمذی بھی شریک محفل تھے، حضرت والا نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے وعظ سے حضرت شیخ الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نوراللہ مرقدہ کا ارشاد گرامی پڑھ کر سنایا اور نہایت احسن انداز میں اس کی عجیب وغریب تشریح فرمائی جس سے سامعین پر بے حد اثر ہوا حضرت والا کا انداز بیان اسقدر مؤثر تھا کہ ہر شخص متاثر ہو رہا تھا دراصل یہ حضرت والا کی للّٰہیت اور روحانیت کی برکت تھی کہ مجھ جیسا طفل مکتب بھی ایک عجیب کشش محسوس کر رہا تھا حضرت والا کی اس

مجلس میں ارباب فہم ودانش کے علاوہ اہل علم کی بھی ایک جماعت شریک تھی ،حضرت والا کی فنائیت تواضع اور للّٰہیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ تمام تر کمالات اور علم وفضل کے باوجود احقر کے والد مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی کو حکم فرمایا کہ آپ میرے قریب بیٹھیں اگر کوئی بات اصلاح کے قابل ہو تو بتادیں ،اللہ اکبر! اس سے حضرت والا کی تواضع فنائیت بلندی مقام کا بخوبی علم ہورہا ہے اللہ تعالیٰ حضرت کی برکات سے ہمیں بھی حقیقی تواضع عبدیت اور فنائیت عطا فرمائے ،حضرت والا کے بیان ذیشان کے بعد آپ کے حکم سے ایک اور بزرگ نے بھی مختصر بیان فرمایا ،پھر حضرت والا کے حکم سے والد ماجد دامت برکاتہم نے مختصر بیان کیا اور دعا پر یہ مجلس ختم ہوگئی ،بحمداللہ تعالیٰ ظہر اور عصر میں بھی حضرت کی زیارت نصیب ہوئی ،عصر کے بعد حضرت والا خصوصی شفقت فرماتے ہوئے کچھ دیر مسجد میں تشریف فرمارہے اور حالات دریافت فرمانے کے بعد تشریف لے گئے ۔سوموار کے روز ظہر کی نماز میں پہنچے تو نماز کے بعد زیارت اور مصافحہ کا موقع ملا ،عصر کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے ایک ملفوظ پر جو مدارس کے چندہ سے متعلق تھا حضرت والا کا بیان ہوا ،حضرت والا نے چندہ کے حوالہ سے جو بیان فرمایا ارباب مدارس کیلئے وہ نہایت اکسیر اور مفید تھا ،پھر آخر میں حضرت نے دعا فرمائی تمام مدارس اور بطور خاص جامعہ حقانیہ کی ترقی کیلئے نام لے کر دعا کرائی ،دعا پر یہ مجلس ختم ہوئی ، ہفتہ ،اتوار اور سوموار تین روز تک مختلف اوقات میں حضرت والا کی زیارت اور مجلس نصیب ہوتی رہی جو احقر کے لئے عظیم سعادت ہے عارف رومی نے صحیح کہا ہے ۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

چونکہ سوموار شام کو واپسی تھی اس لئے عصر کے بعد حضرت سے نہ صرف مصافحہ اور دعا بلکہ بلا استحقاق معانقہ کی دولت بھی ملی ۔اس سہ روزہ قیام کے دوران حضرت اقدس کی جو شفقتیں اور عنایتیں حاصل ہوئیں وہ حضرت والا کا کرم اور احقر کے جد امجد حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ اور جد اعلیٰ حضرت اقدس مفتی عبدالکریم گمتھلوی نوراللہ مرقدہ کی برکت ہے ،اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور حضرت والا کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے اور یہ سایۂ رحمت وعنایت تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں باربار آپ کی خدمت میں حاضری اور صحیح معنی میں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے ،قارئین کرام سے بھی دعا کی درخواست ہے ۔

الاستفتاء

نابالغ کی طلاق معتبر نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ لڑکی کا نکاح چچا نے اپنے نابالغ لڑکے سے کرلیا، پھر نابالغ لڑکے نے خود طلاق بھی دے دی اور اس نابالغ لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے اسی وقت کردیا جاتا ہے آیا لڑکا مذکور طلاق دے سکتا ہے؟ برضائے ولی نکاح ہوتا ہے اور برضائے ولی طلاق ہوتی ہے۔

الجواب

نابالغ لڑکا جب تک بالغ نہ ہو جائے اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دے سکتا، نہ وہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے اور نہ ولی کی اجازت سے طلاق دی جاسکتی ہے، نکاح کرنے میں تو یہ صورت تھی کہ نابالغ لڑکے کی طرف سے اس کا ولی قبول کرلے یا سمجھدار لڑکا اپنے ولی کی اجازت سے خود قبول کرلے کیونکہ نکاح اس کے فائدہ کی چیز ہے اس لئے اس کا ولی اور باجازت ولی وہ خود بھی کرسکتے ہیں۔

لیکن طلاق اس کیلئے نقصان دہ ہے اس لئے جب تک ہوش وحواس درست اور عقل کامل اور بالغ نہ ہوجاوے اس وقت تک وہ طلاق نہیں دے سکتا لہٰذا نابالغ کی طلاق کے بعد جو صورت بالا میں لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کیا گیا ہے چونکہ وہ طلاق شرعاً واقع نہیں ہوئی اس لئے وہ نکاح ثانی بالکل حرام اور باطل ہے، لڑکی بدستور سابق اس نابالغ لڑکے کے نکاح میں ہے، دوسری جگہ سے واپس کرکے اس لڑکی کو پہلے شوہر کے پاس بھیجنا ضروری ہے، اس کا نکاح پہلے ہی شوہر سے باقی ہے، واللہ اعلم۔

عشر کس پر واجب ہے؟

ناچیز کے پاس جو اناج فصل پر ۸، ۹ من کے قریب لوگوں کے ہاں سے آتا ہے اس میں بھی عشر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو اناج فصل پر آپ کے پاس لوگوں کے یہاں سے آتا ہے اس پر آپ کے ذمہ عشر واجب

نہیں بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ جو فصل میں غلہ برداشت کریں اس سب کا حساب کر کے عشر وغیرہ نکال کر پھر جس کو دینا ہو دے دیں ۔واللہ اعلم بالصواب

عشر ٹھیکیدار پر ہے مالک پر نہیں

جو اناج زمین کے ٹھیکہ سے آتا ہے یا اگر ٹھیکہ روپیوں کی شکل میں مقرر کیا گیا ہو اور ان روپیوں کے عوض اناج لیا جائے تو کیا اس اناج میں بھی عشر واجب ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب

جو غلہ زمین کے ٹھیکہ سے بعوض روپیوں کے آتا ہے یا ٹھیکہ ہی بعوض غلہ کیا گیا ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ مالک اراضی پر عشر ہے یا مستاجر پر، لیکن ہمارے حضرات نے یہی تحقیق فرمائی ہے کہ اس صورت میں مالک اراضی پر عشر نہیں بلکہ ٹھیکیدار پر عشر ہے کیونکہ ٹھیکہ کی صورت میں پیداوار کا مالک ٹھیکیدار ہی ہوتا ہے اور مالک اراضی کو اراضی کی اجرت ملتی ہے خواہ نقدی کی صورت میں یا غلہ کی صورت میں حسب قرارداد جو صورت بھی ہو، پھر چاہے وہ ٹھیکیدار اسی اراضی کے غلہ میں سے دے یا کسی دوسری اراضی کے غلہ میں سے دے، بہر حال ٹھیکیدار اگر ٹھیکہ کے عوض غلہ دیتا ہے تو اس سے شرکت مالک کی اس میں لازم نہیں آتی کیونکہ وہ دوسری اراضی کے غلہ سے بھی اجرت دینے کا مجاز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۲۰/ذوالحجہ ۸۰ھ

ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عشر واجب ہے

عشر کے وجوب کی کم از کم کیا مقدار ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

عشر کے وجوب کیلئے غلہ کی کوئی مقدار نہیں قلیل و کثیر جو پیداوار ہو سب میں عشر واجب ہے، اس کا نصاب کوئی نہیں حنفیہ کی یہی تحقیق ہے، واللہ اعلم بالصواب ۔

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
۳۰/ذوالحجہ ۸۰ھ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: مجالس حسنہ......افادات: حضرت اقدس ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی قدس سرہ
مرتب: حاجی عبدالستار سکھروی......ناشر: مکتبہ الحسن جامعہ اشرفیہ لاہور......صفحات ۱۹۲......قیمت: ۱۵۰

کرۂ ارض پر اولیاء اللہ کا وجود اللہ رب العزت کی رحمت ہوا کرتی ہے، جن کے فیض وصحبت اور مجالس کی برکت سے رونق بزم جہاں کو دوام حاصل رہتا ہے، جس طرح ان اولیاء اللہ کا وجود مسعود سراپا خیر وبرکت ہے اسی طرح ان کا ذکر خیر بھی سراپا خیر وبرکت ہے، جب ایسی عظیم ہستیاں اس دار فانی سے رحلت فرما جاتی ہیں تو دنیا ان کے فیوض وبرکات سے محروم ہو جاتی ہے، پھر خیر وبرکت کے حصول کا ایک ہی ذریعہ اور طریقہ رہ جاتا ہے کہ ان عظیم نابغۂ روزگار ہستیوں کی تصانیف وملفوظات اور مجالس کی اشاعت عام کی جائے کہ جس سے شتر بے مہار کی طرح بگڑا ہوا انسان بھی سدھر جائے اور گمراہ راہ راست پر آ جائے۔ ایسی ہی شخصیتوں میں ایک عبقری شخصیت حضرت اقدس ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی قدس سرہ کی تھی جو حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ کے صرف خلیفہ مجاز ہی نہیں بلکہ آپ کی جیتی جاگتی تصویر اور فنافی الشیخ تھے، نیز حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب کا شمار حضرت تھانویؒ کے متعلقین میں بھی ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب حضرت ڈاکٹر صاحب کی ان اصلاحی مجالس سے مرتب کی گئی ہے جو آپ نے مختلف مقامات پر بیان فرمائی تھیں، اور درحقیقت یہ مجالس حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ اور حضرت مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ کے ہی ملفوظات کی تشریح وتوضیح ہیں اور ان مجالس میں حضرت تھانویؒ کا طریق واضح چھلکتا نظر آتا ہے۔

یہ کتاب سات بڑے اہم عنوانات پر مشتمل ہے، عنوان اول میں توکل اور تقویٰ کی حقیقت کو مختلف واقعات سے واضح کیا گیا ہے، عنوان ثانی میں ٹی وی کی تباہ کاریوں پر واقعات کے ذریعے روشنی ڈالی گئی ہے، عنوان ثالث میں تبلیغ اور اس کے درجات کو مع حکم جامع انداز میں سپرد قرطاس کیا گیا ہے، عنوان رابع گناہوں سے اجتناب اور اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے، عنوان خامس اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ثمرات کے بیان میں ہے، عنوان سادس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رحمت

وشفقت اور محبت پر مشتمل ہے،عنوان سابع میں طلب مغفرت کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے تا کہ انسان گناہوں کو ترک کر کے دنیاوآخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔علاوہ ازیں کتاب میں اور بھی پر اثر مضامین ہیں کہ جن کے پڑھنے سے زندگی کی کایا پلٹ سکتی ہے،کتاب حرز جان بنانے کے لائق ہے۔کتاب کی طباعت بھی اعلیٰ ہے اور کاغذ نہایت عمدہ ومعیاری ہے۔ (عابد محمود حقانی)

☆☆☆☆☆

نام کتاب : خیر النحو اردو شرح ہدایۃ النحو......مؤلف: استاذ العلماء حضرت مولانا ابوسعید اللہ بخش ظفر مدظلہ
صفحات:۴۳۹......ناشر: مکتبہ رحمانیہ محلہ تھہیم نگرز در مضانیہ مسجد عقب ڈسٹرکٹ ہسپتال مظفر گڑھ

درس نظامی میں شامل فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' جو علم النحو کے اندر اساسی حیثیت رکھتی ہے اس کی شرح ''خیر النحو'' مسائل نحو کو حل کرنے اور کشف مطالب پر مشتمل ہونے کے ساتھ بہت سے اہم فوائد وفرائد کو بھی حاوی ہے، مؤلف نے بڑی ہی عرق ریزی اور جانفشانی سے ایک نرالے اور اچھوتے انداز میں تمام مباحث کو سہل کر کے پیش کیا،اہم اور مشکل مقامات کو نقشہ جات کی مدد سے عام فہم کردیا ہے جس سے طالب علم کے ذہن میں تمام بحث کا نقش بیٹھ جاتا ہے،اور متن کی تمام عبارت کو اعراب اور مکمل ومفصل تشریح کے ساتھ پیش کیا۔نیز اس شرح کے محاسن اور خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ موصوف نے الباب الثانی تک مکمل عبارت کو ترکیب کے ساتھ لکھا ہے جو طلباء، اساتذہ کرام کے علاوہ علم نحو پر مہارت حاصل کرنے والوں کیلئے ایک عظیم رہنما کی حیثیت رکھتی ہے،علم نحو کے متعلق لکھی گئی طویل کتب وشروحات سے مستغنی کرنے والی ہے اور مغلق ومشکل مقامات کو حل کرنے میں کافی وافی شافی ہے، درمیانے درجہ کا بھی طالب علم اس شرح کو اچھی طرح مطالعہ کر کے یاد کرے گا تو علم نحو کے معتد بہ حصہ سے واقف ہوجائے گا۔

شرح کے آخر میں وفاق المدارس کے گذشتہ سالوں کے پرچہ جات کا حل بھی موجود ہے جوان شاء اللہ طالبین وطالبات کیلئے نہایت ہی مفید اور معاون ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف علام کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی سعی کو قبول ومنظور فرمائیں، آمین۔ (مولوی عمر فاروق)

سید عبدالناصر ترمذی

اخبار الجامعہ

۲۱/ربیع الاول کو صدر جامعہ نے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا کے سالانہ جلسے میں شرکت کی اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ سے ملاقات فرمائی۔

۲۵/ربیع الاول کو جامعہ کے استاذ مولانا شمس الدین زیدمجدہم رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے، صدر جامعہ نے اس تقریب سعید میں مختصر بیان کے بعد خطبۂ نکاح پڑھا اور شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا نے نکاح پڑھایا اور دعا کرائی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ زوجین کو ایمان واسلام کی عافیت اور محبت وسلامتی کے ساتھ تاحیات خوش وخرم رکھیں، آمین۔ بعد عشاء صدر جامعہ نے جامعہ امدادیہ حبیب المدارس پاکی والا میں طلبہ سے نصیحت آموز بیان فرمایا۔

۲۶/ربیع الاول بعد نماز فجر صدر جامعہ نے دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا میں طلبہ سے بیان فرمایا۔

۲۷/ربیع الاول کو صدر جامعہ نے جامعہ حقانیہ چاوے والا میں حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کرنے والے بچوں کو آخری سبق پڑھایا اور مختصر بیان کے بعد دعا فرمائی۔

۳۰/ربیع الاول کو صدر جامعہ کی دعوت پر عارف باللہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم اوران کے برادر خورد ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی زیدمجدہم جامعہ میں تشریف لائے اور دو روز قیام فرمایا جس میں حضرت نے کئی عمومی وخصوصی مجالس سے خطاب کیا اور جامعہ کے طلبہ کے ساتھ ساتھ عوام الناس کو بھی اپنے علوم ومعارف سے مستفیض فرمایا، صدر جامعہ نے اس موقع پر فرمایا کہ ان بزرگوں کو یہاں بلانے اوران مجالس کے انعقاد کا اصل مقصد یہ ہے کہ اصلاح ظاہر کے ساتھ اصلاح باطن پر بھی توجہ دی جائے۔

۲/ربیع الثانی کو حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کے متوسل خاص ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور عارف باللہ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب سکھرویؒ کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور صدر جامعہ سے ملاقات فرمائی۔

۳/ربیع الثانی کو صدر جامعہ منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کیلئے جھنگ تشریف لے گئے اور تین روز قیام فرمایا۔لیکن بحمد اللہ دنیائے مماتیت کے کسی بھی فرد کو حضرت کا چیلنج قبول مناظرہ تو

ایک طرف اس پر دستخط کرنے کی بھی ہمت نہ ہو سکی۔ تفصیل اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۸/ربیع الثانی کو صدر جامعہ نے جامعہ عبداللہ بن عمر لاہور میں مولانا محمد عتیق الرحمن مدظلہم کے ہاں بعد نماز عصر ماہانہ اصلاحی درس دیا۔

۱۴/ربیع الثانی کو صدر جامعہ تین روز کیلئے سیدی وسندی حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر دامت برکاتہم ومد فیوضہم کی خدمت والا تبار میں تشریف لے گئے، ان تین روز میں حضرت اقدس کی عمومی وخصوصی مجالس میں حاضری اور استفادہ واستفاضہ کے علاوہ دیگر مصروفیات بھی رہیں۔

۱۵/ربیع الثانی کو صبح دس بجے کوہسار مسجد اسلام آباد میں حضرت والا کی مجلس میں حاضری اور حضرت والا کے حکم پر مختصر مگر جامع ومؤثر بیان فرمایا۔

بعد نماز عشاء چھتر پارک اسلام آباد میں حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب کی رہائش گاہ پر ایک خالصۃً علمی وفقہی مجلس اور مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا جس میں اسلام آباد اور راولپنڈی کے علماء کرام ومفتیان عظام کے علاوہ بطور خاص حضرت نے بھی شرکت فرمائی، یہ مجلس پہلے بھی وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہتی ہے جس میں مختلف مدارس کے دارالافتاء سے تعلق رکھنے والے ارباب فتاویٰ جمع ہو کر کسی ایک موضوع پر مذاکرہ کرتے ہیں۔ اس محفل کے داعی حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب اور مسئول ومحرک مولانا مفتی محمد شاکر صاحب متخصص جامعہ حقانیہ ہیں۔

تقریباً اڑھائی تین گھنٹہ پر مشتمل اس محفل کا موضوع سخن زیادہ تر یہ مسئلہ رہا کہ ڈیجیٹل سسٹم کے طریقہ کار سے جو مناظر کمپیوٹر، سی ڈی، ٹیلی ویژن اور موبائل فون وغیرہ کے ذریعے ضبط کر کے نشر کئے جاتے ہیں ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ آیا وہ ممنوع ہیں یا نہیں؟ اس کے علاوہ مختصر طور پر یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر حربی یا ذمی ہو تو اس کے قتل کا کیا حکم ہے؟۔

۱۶/ربیع الثانی کو مفتی محمد شاکر صاحب کی دعوت پر لال مسجد اسلام آباد کے دارالافتاء میں تشریف لے گئے اور رفیقان دارالافتاء سے ملاقات فرمائی، علاوہ ازیں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ فریدیہ وحفصہ سے جوان دنوں گھر پر نظر بند ہیں تفصیلی ملاقات ہوئی اور حضرت موصوف نے صدر جامعہ کو جامعہ حفصہ کے مختلف شعبہ جات کا معائنہ کرایا۔ بعد نماز ظہر صدر جامعہ نے جامعہ محمدیہ اسلام آباد میں طلباء سے عقائد علماء دیوبند اور تقابل ادیان کے حوالہ سے مفصل اور سیر حاصل خطاب فرمایا۔

نعت شریف

مدحِ پیمبر میں منہ کھول !
بول فہیم! اور موتی رول !

عقل کے بندے! تجھ کو سناؤں
آج میں حکمت کے دو بول
اپنا رتبہ عقل سے دیکھ
ان کی رفعت عشق سے تول
بول فہیم! اور موتی رول!
آنکھ پہ پردے حرص وہوس کے
ذہن پہ بے دینی کے خول
پھر بھی نہ کر پائے یہ مؤرخ
تیرے حسن کا قصہ گول
بول فہیم! اور موتی رول!
تیرا ہر ہر فعل درست
تیرا ہر ہر قول انمول
تجھ پر منڈلاتے ہی رہیں گے
پروانوں کے غول کے غول
بول فہیم! اور موتی رول!
تیرے حسن کی تابانی نے
کھول دیا سورج کا پول
تو نے نور سے بھر ڈالے ہیں
ماہ و انجم کے کشکول
بول فہیم! اور موتی رول!
لب پر پُراسرار خموشی
دل میں اک بے نام سی ہول

تیرے تبسم کا خواہاں ہے
آج کا یہ اُجڑا ماحول
بول فہیم! اور موتی رول!
موت کا دریا خون آشام
عمر کی نیا ڈانواں ڈول
قسمت کب تک کرتی رہے گی
آخر مجھ سے ٹال مٹول
بول فہیم! اور موتی رول!
کاش! مجھے بھی حکم عطا ہو
شہر مدینہ کو پر تول
خود اپنی پہچان کی خاطر
اُن کے در کی خاک ٹٹول
بول فہیم! اور موتی رول!
ربِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے کرم سے
بھر دے اِس دل کا کشکول
جس بستی میں یار ہے میرا
اُس بستی کے رستے کھول
بول فہیم! اور موتی رول!